فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کے

دس سوالوں کے جوابات

اور مولیٰنا مودودی کے جوابات پر تبصرہ

(جلالُ الدین شمسؔ)

الناشر

الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ

فہرست مضامین

کتاب تحقیقاتی عدالت کے دس سوالوں کا جواب

فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی طرف سے

دس سوالات اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے

ان کے جوابات

1-ظہور مسیح و مہدی کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں

فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت نے دوران تحقیقات میں متعلقہ جماعتوں سے دس سوالات یا دس نکات کے جوابات طلب کئے تھے۔ جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا مودودی صاحب نے اور اسی طرح بعض اور جماعتوں نے ان کے جوابات دیئے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ان دس سوالات کے جو جوابات دیئے گئے۔ وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سوال کے جواب کے بعد مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ جوابات پر نہایت اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا جائے گا۔

(جلال الدین شمس)

پہلا سوال

ظہور مسیح و مہدی کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں

الف: قرآن مجید۔ قرآن مجید میں مسیح اور مہدی کے ظہور کا ذکر نام لے کر تو نہیں کیا گیا۔ مگر قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں ایک مسیح ضرور آئے گا۔

پہلی آیت

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ دعا سکھلائی ہے۔

اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن.

اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخش۔ جن پر تو نے انعام کیا۔ اور مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے ہمیں محفوظ رکھ۔

علامہ امام السید محمود الالوسی مفتی بغداد لکھتے ہیں:۔

اَلْمُرادُ بِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمُ الْيَهُوْدُ وَبِالضَّالِّيْنَ النَّصٰرىٰ الخ

ترجمہ: کہ مغضوب علیہم سے یہودی اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ یہی معنے امام احمد بن حنبل نے اور ابن حیان اور ابن جریر نے اور ابن ابی حاتم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے ہیں۔ اور میرے علم کے مطابق مفسرین نے ان معنوں سے اختلاف نہیں کیا۔

(روح المعانی جلد اول صفحہ ۸۲)

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اللہ تعالےٰ جب کسی نبی کے پیراؤوں کو کسی فتنہ یا شر سے ڈراتا۔ اور اس سے بچنے کے لئے دعا سکھلاتا ہے۔ تو وہ اس لئے ہوتا ہے کہ ایک گروہ ان میں سے خدا کے علم میں اس فتنہ میں مبتلا ہونے والا مقدر ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے بچنے کی دعا سکھانا ایک بےضرورت اور بےحکمت فعل ہوگا۔

پس سورۂ فاتحہ میں امت کو یہود اور نصاریٰ کے راستے سے بچنے کی دعا سکھانے میں یہ پیشگوئی تھی کہ امت محمدیہ کے ایک طبقہ کو ان کے فتنہ وشر میں مبتلا ہونا تھا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنا تھا۔ اور انعمت علیہم کی دعا سکھانے میں یہ پیشگوئی تھی۔ کہ امت محمدیہ کے ایک گروہ کو نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کے مقامات حاصل کرنا تھا۔

چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ شِبْراً بَشِبْرٍ ذَرَاعاًبِذَرَعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْاجُحْرَضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْہُ قَالُوْاوَمَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللہ اَھْلَ الْکِتَابِ قَالَ نَعَمْ .

(مسند امام احمد بن حنبل جلد۲ صفحہ ۳۲۷)

کہ تم ان لوگوں کے طریقوں کو اختیار کرو گے۔ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔اور تم میں اوران میں کھلی مشابہت پیدا ہو جائے گی۔صحابہؓ نے عرض کیا ہم اہل کتاب کی پیروی کریں گے؟ آپ نے اثبات سے جواب دیا۔ اور بخاری کی روایت میں یہود ونصاریٰ کے الفاظ آئے ہیں۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۶۱)

اسی طرح فرمایا یہود بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔اسی طرح عیسائی بھی۔لیکن میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

اس کو امام بیہقی نے اورابن حیان نے حاکم سے روایت کیا ہے۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۱۱۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

''میری امت پر بعینہٖ وہی حالت آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی۔اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہوگی۔تو میری امت میں بھی ایسے ہوں گے۔جو ایسا کریں گے۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔لیکن میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ان میں سے ایک ناجی ہوگا۔''

(صفحہ ۲۲ مطبع محمدی بحوالہ ترمذی)

اور مولوی ابوالحسنات وغیرہ گواہوں نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔

اور دوسری طرف آپ نے فرمایا امت کی اصلاح کے لئے اور عیسائیت کے مذہب کا بطلان ثابت کرنے کے لئے خداتعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا۔ جو اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے

گروہ میں سے کمال انعام کو جو نبوت کا انعام ہے حاصل کرے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں باتیں امت محمدیہ میں ظاہر ہوچکی ہیں۔ اور تمام مسلمان اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

" بالجملہ اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سؤ کہ طالب دنیا باشند خوگرفتہ بہ تقلید سلف ومعرض از نصوص کتاب وسنت .....واز کلام شارح معصوم بے پرواشدہ تماشہ کن **کا نہم ہم**."

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۹ مطبوعہ علیمی لاہور)

کہ موجودہ زمانہ کے علماء سؤ بالکل یہودی علما کا پورا نمونہ ہیں۔ گویا کہ وہی ہیں

(2) اور مولانا حالی اپنی مسدس میں فرماتے ہیں۔

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر
تو مبعوث ہم میں بھی ہوتا پیمبر
تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر
ضلالت یہود و نصاریٰ کی اکثر
یونہی جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری بتاتی

(مسدس حالی صفحہ ۶۷ تاج کمپنی)

علامہ اقبال مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(بانگ درا صفحہ ۲۲۶)

الغرض دونوں قسم کے گروہ امت محمدیہ میں پیدا ہوگئے۔ امت میں سے تیسرے گروہ کا اعلٰے فرد جس نے نبوت کے مقام کو حاصل کرنا تھا۔ اس کا نام حدیثوں میں مسیح رکھا گیا ہے۔

پس سورۂ فاتحہ میں جیسے یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ کہ علماء امت کا ایک گروہ یہود و

نصاریٰ بن جائیں گے۔اس طرح ان میں یہ بھی پیشگوئی ہے کہ ان کے مقابلہ میں امت کی اصلاح کے لئے اور دین اسلام کو عیسائی مذہب پر دلائل و براہین کے ساتھ غالب ثابت کرنے کے لئے جو شخص ظاہر ہوگا۔ وہ مسیح ابن مریم ہوگا۔لیکن جیسا یہود اور عیسائی بننے والے امت میں سے ہوں گے۔اسی طرح آنے والا مسیح بھی امت میں سے ہوگا۔کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ یہود اور نصاریٰ کی برائیوں میں تو امت محمدیہ وارث ہوجائے۔لیکن نیکیوں اور روحانی مقامات میں ان کی وارث نہ ہو۔

دوسری آیت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے جیسا کہ آیت:

اِنَّا اَرۡسَلۡنَا اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلاً شَاھِداً عَلَیۡکُمۡ کَمَا اَرۡسَلۡنَا اِلیٰ فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلاً.

(المزمل رکوع۱)

سے ظاہر ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ جو تم پر شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول (یعنی موسیٰ) بھیجا تھا۔ نیز فرمایا۔

''وَشَھِدَ شَاھدٌ مِنۡ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ عَلیٰ مِثۡلِہٖ (احقاف رکوع۱)

کہ بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان یعنے موسےٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کے آنے کی شہادت دی۔اور یہ پیشگوئی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔موسیٰ کی کتاب استثنا باب ۱۸ میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

''خدا تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی تیری مانند برپا کرے گا۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسےٰ ہیں اور امت محمدیہ مثیل امت موسویہ ہے۔اور سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعامل صالحہ کئے۔یہ وعدہ کرتا ہے۔

لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِیۡ الۡاَرۡضِ کَمَااسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ

کہ انہیں زمین میں ویسے ہی خلیفہ بنائے گا۔جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔

امام فخر الدین رازی کمااستخلف الذین من قبلھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں

کمااستخلف هارون ویوشع وداؤدوسلیمان وتقدیر النظم لیستخلفنهم استخلافاً کاستخلاف من قبلهم من هوٰلاء الانبیاء علیهم السلام

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۲۹)

کہ امت محمدیہ میں سے بھی اللہ تعالیٰ ایسے خلیفے بنائے گا جیسا کہ ہارون یوشع اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو امت محمدیہ میں خلفا بنایا تھا۔ اور آیت کے یہ معنے ہوئے کہ ان کو خلیفے بنائیگا۔ ایسے خلیفے جیسے کہ ان سے پہلے ان انبیاء علیہم السلام کو بنایا تھا۔

پس سلسلہ محمدیہ کی سلسلہ موسویہ سے خلفاء کے لحاظ سے مشابہت تقاضا کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بھی ویسے ہی خلفاء ہوں۔ جیسے کہ امت موسویہ میں سے ہوئے تھے۔ اور اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبیؐ نسیکون بعدی خلفاء فیکثرون

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۱)

کہ بنی اسرائیل کے نبی صاحب سیاست بھی ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہوجاتا تو اس کا خلیفہ نبی ہوتا۔ لیکن میرے بعد خلیفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

اس حدیث میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے۔ کہ امت موسویہ کے خلفاء نبی صاحب سیاست ہوتے تھے۔ لیکن میری امت میں ایسا نہیں ہوگا۔ جو نبی ہوگا وہ بادشاہ نہیں ہوگا۔ اور جو دوسرے خلیفہ بادشاہ ہوں گے وہ نبی نہیں ہونگے۔ پس سلسلہ موسویہ کے خلفاء کے مقابلہ میں امت محمدیہ میں خلفاء ہوئے جو بادشاہ تھے لیکن نبی نہیں تھے۔ اور سلسلہ موسویہ کے آخر میں جیسے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ نبی تھے۔ لیکن بادشاہ نہ تھے۔ اس طرح امت محمدیہ کے خلفاء کی امت موسویہ کے خلفاء سے مشابہت متقاضی تھی۔ کہ امت محمدیہ میں بھی آخری خلفیہ ہو۔ جو نبی ہو اور بادشاہ نہ ہو اور مشابہت کی وجہ سے وہی نام پائے۔ جو امت موسویہ کے آخری خلیفہ کا تھا۔ تا دونوں سلسلوں میں مشابہت تامہ پائی جائے۔ اور لفظ کما سے ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا مسیح جو آنحضرت صلعم کا خلیفہ ہوگا۔ وہ مسیح علیہ السلام کا غیر ہوگا۔ جو موسیٰ

علیہ السلام کے آخر میں ظاہر ہوئے کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ ایک نہیں ہو سکتے۔ اور شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ آیت **لیستخلفنھم** امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت امام قائم (مہدی) اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی اس آیت میں امام مہدی علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی پائی جاتی ہے۔

تیسری آیت۔شاہد کے آنے کی پیشگوئی

اسی طرح سورۂ ہود میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک شاہد کے آنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰىٓ اِمَامًا وَّرَحْمَةً. (ھود رکوع ۲)

ترجمہ: کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہے۔ اور جس کے بعد ایک شاہد خدا کی طرف سے آئے گا۔ اور جس سے پہلے موسےٰ کی کتاب بطور راہ نما اور رحمت تھی۔

اس آیت میں ایک تو اس شخص کا ذکر ہے جو اپنے رب کی طرف سے بینہ رکھتا ہو۔ دوسرے شاہد کا ذکر ہے۔ تیسرے کتاب موسیٰ کا ذکر ہے۔

(۱) **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهٖ** (یعنی وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بینہ پر ہے) اس میں شخص سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(الف) چنانچہ تفسیر جلالین میں آیت ہذا کی تفسیر میں لکھا ہے۔ **وھوالنبی صلے اللہ علیہ وسلم** (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۱) یعنی اس سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(ب) تفسیر بیضاوی میں زیر آیت بالا لکھا ہے

وقیل المراد بہ النبی علیہ السلام (بیضاوی مطبع احمدی جلد ۱ صفحہ ۳۷۲)

(ج) تفسیر حسینی میں ہے۔ ”بعضوں نے کہا ہے کہ دلیل والے تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کا تابع شاہد ہے۔“ (تفسیر حسینی مترجم اردو موسومہ بہ تفسیر قادری جلد اول صفحہ ۴۵۸)

آیت کے سیاق وسباق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔کہ من کان علیٰ بینة سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔کوئی غیر نبی یا عام مومن مراد نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔کیونکہ اگر آیت افمن کان علیٰ بینة من ربہٖ میں من سے مراد مومن ہوتے۔تو اگلی آیات (28۔53۔63۔88) میں مثالیں بھی عام مومنوں کے بینہ پر ہونے کی پیش کی جاتیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیت میں جو مثالیں پیش کی ہیں۔

ان میں انبیاء کے اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سے لازمی طور پر یہ ماننا پڑتا ہے۔کہ آیت مذکورہ میں مَنْ سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

(۲) وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌمِنْهُ. اس آیت میں شاہد سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لئے جاسکتے۔کیونکہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهٖ میں من سے مراد آپ ہی ہیں۔کوئی اور شخص مراد نہیں لیا جاسکتا۔جیسا کہ مفسرین نے عبداللہ بن سلام وغیرہ مراد لئے ہیں۔کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ اس آیت میں شاہد سے مراد مسیح موعود ہیں۔اور یہ آیت اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی رکھتی ہے۔کہ جب آخری زمانہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی صداقت کا دنیا میں عام طور پر انکار کیا جائے گا۔تو خدا تعالیٰ ان کی صداقت کو ازسرنو قائم کرنے کے لئے ایک شاہد مبعوث فرمائے گا۔جو آپ کی اور قرآن کی پیروی کر کے اس عالی شان مقام پر سرفراز ہوگا۔کیونکہ لفظ یتلوہ جیسے پیروی پر دلالت کرتا ہے۔ویسے ہی بعدیت پر بھی۔یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک شاہد آئے گا۔جو اس سے کمالات روحانیہ کا استفاضہ کرے گا۔اور علیٰ وجہ البصیرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے کمالات کو دنیا پر ظاہر کرے گا۔

شاہد نام رکھنے کی حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام شاہد رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی بعثت کا زمانہ ایسا ہونا تھا۔جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تکذیب ویسے ہی کی

جاتی تھی۔ جیسے کہ اوائل اسلام میں کی گئی۔ اور اس بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث بدء الاسلام غریباً و سیعود کمابدی ہے میں بیان فرمایا ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ۲۱ باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

کہ اسلام کی حالت بالکل وہی ہو جائے گی۔ جیسی کہ ابتدا میں تھی۔ کہ وہ ایک اجنبی مسافر کی طرح بے یارومددگار ہو جائے گا۔ اس وقت جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوگا۔ اس کی بعثت کی غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی عظمت وشان قائم کرنا ہوگی۔ کوئی نیا دین لانا نہیں ہوگی اور وہ شہادت ہی سے ہوسکتی ہے۔ اور چونکہ شاہد کی شہادت اس وقت زیادہ زندار ہوسکتی ہے۔ جب وہ شاہد مخالفین کے نزدیک مسلم ہو۔ اور اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے ان تمام بڑے بڑے مذاہب کے انبیاء کے ذریعہ جنہوں نے مذہب اسلام پر حملہ کرنا تھا۔ اس آخری زمانہ کے شاہد کے متعلق پیشگوئی کرادی۔ تا جب وہ شاہد مختلف انبیاء کی پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہو۔ تو اس کی شہادت کو قبول کریں۔ پس اس آیت میں یقینی طور پر شاہد سے مراد مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔

سورۂ جمعہ میں پیشگوئی

سورۂ جمعہ میں یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخرین میں بھی بعثت ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم .

کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو امیوں میں بھیجا۔ ویسے ہی ان کو اٰخرین میں بھی بھیجے گا۔ جو اس کے نزدیک صحابہ سے ہیں۔ لیکن وہ ابھی ان امیوں سے نہیں ملے۔ جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور ان کا تزکیہ نفس کیا۔ انہیں کتاب اور حکمت سکھائی۔ لیکن جب رسول للہ صلے اللہ علیہ وسلم ان میں بروزی طور پر مبعوث ہوں گے۔ تو وہ بھی صحابہ کے ساتھ مل جائیں گے۔ کیونکہ دوسرے معنے اس آیت کے یوں ہوسکتے ہیں۔ کہ جیسے خدا تعالیٰ نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ اسی طرح وہ ایک رسول اٰخرین میں سے مبعوث فرمائے گا۔ وہ آخرین جو ابھی تک ان امیوں سے نہیں

ملے۔ جنہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں۔ اورانہیں پاک بنایا۔ اورانہیں کتاب وحکمت سکھائی۔ لیکن جب وہ رسول ان میں ظاہر ہوگا۔ تو وہ بھی صحابہ کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب سورۂ جمعہ اتری تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا۔ **من هم يارسول الله** کہ وہ آخری لوگ جو ابھی ہم سے نہیں ملے وہ کون ہیں۔ تو آپ نے سلمان الفارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ **لو كان الايمان معلقاً بالثريا لناله رجل من هولاء** (بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ)

یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہوگا۔ تو ایک فارسی النسل مرد اسے وہاں سے بھی لے لے گا۔ اورلوگوں کے دلوں میں ڈالے گا۔ اس حدیث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ رسول جو آخر میں مبعوث ہوگا وہ فارسی النسل ہوگا۔ دوسرے وہ ایسے زمانہ میں آئے گا۔ جب دل سے ایمان سے خالی ہوں گے۔ اور ہر طرف کفروالحاد کا چرچا ہوگا۔

پس سورۂ جمعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے دو ہی عظیم الشان گروہ ہیں ایک امیین کا جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور خدا سے براہ راست ہدایت پا کران کی تربیت فرمائی۔ اوران کے لئے مربی بے واسطہ تھے۔

دوسرا گروہ آخرین کا ہے۔ جن میں مسیح موعود بروز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ جو خدا سے الہام پائیں گے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض اٹھا کراس گروہ کی تربیت کریں گے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں:۔

خير هذه الامة اولهاوآخرها اولهافيهم رسول الله صلیٰ اللهعليه وسلم وآخرها فيهم عيسیٰ ابن مريم.

(کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲)

اس امت کا اول اور آخر بہتر ہے۔ اوّل میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں:۔

ليدر كن الدجال قوم مثلكم اوخير منكم ولن يخزی الله امة انااولها وعيسیٰ ابن مريم آخرها.

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۳ بحوالہ مستدرک للحاکم وکنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲)

آپ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ دجال کا مقابلہ تمہارے جیسی یا تم سے اچھی قوم کرے گی ۔ اوراللہ تعالیٰ اس امت کو ذلیل نہیں کرے گا۔ جس کے اول میں مَیں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں۔ نیز فرمایا: **مثل امتی کاالمطر لایدری اوله خیرام اٰخره** (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶)

میری امت کی مثال بارش کی ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

ان احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کے بڑے عظیم الشان دو گروہ ہی بیان فرمائے ہیں۔ ایک اپنے وقت کا اور دوسرا مسیح موعود کے زمانے کا۔ اوراس کی تائید قرآن مجید کی آیت **ثلة من الاولین وثلة من الاخرین** سے ہوتی ہے۔

پانچویں آیت : قرآن مجید کی دو آیتوں کے متعلق مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ کہ وہ مسیح موعود اور مہدی سے متعلق ہیں۔

(۱) **انه لعلم للساعة** (زخرف رکوع ۶)

کہ وہ یقیناً ساعت کی علامت ہیں۔ اس آیت کے متعلق مجاہد اور ضحاک اور قتادہ نے کہا ہے۔ کہ مراد مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اوران کا ظہور قربِ قیامت کی علامت ہے۔

(تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۱ نیز دیکھو روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۲۶۱)

اور مقاتل بن سلیمان اور ان کے تابع مفسرین نے آیت انہ لعلم للساعۃ کی تفسیر میں کہا ہے۔ **هو المهدی یکون فی اٰخر الزمان** (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۶۴)

کہ مراد مہدی ہیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔

پہلی آیت میں یہ ذکر ہے۔ کہ جب مسیح ابن مریم کا ذکر بطور مثیل ونظیر کیا جاتا ہے۔ تو تیری قوم تالیاں بجاتی اور شور کرتی ہے۔ یا اعراض کرتی ہے اگر انہ میں ضمیر غائب مثیل کی طرف لی جائے تو یہ معنے درست ہوں گے کہ اس مثیل کا ظہور ساعت کی علامت ہے۔ بہر حال مفسرین نے اس آیت کو مسیح اور مہدی کے متعلق سمجھا ہے۔

چھٹی آیت۔ اسی طرح **هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق**

لیظھرہ علیٰ الدین کلہ (الصّف رکوع۱) کوبھی متقدمین نے مسیح موعود اور مہدی کے متعلق قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

دین اسلام کا غلبہ باقی تمام ادیان پر عیسےٰ بن مریم کے نزول کے وقت ہوگا۔

(ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۴)

اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید فرماتے ہیں :۔

''وظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین درزمان پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ واتمام آں از دست حضرت مہدی واقعہ خواہد گردید''

(منصب امامت صفحہ ۵۶)

اسی طرح شیعہ صاحبان کی مستند کتابوں میں لکھا ہے۔ **انھا نذلت فی القائم من اٰل محمد وھو الامام الذی لیظھرہ علی الدین کلہٖ**

(بحارالانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۲ و تفسیر صافی بحوالہ امام قمی)

کہ یہ آیت قائم آل محمد یعنی مہدی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور وہی امام ہے جسے اللہ تعالیٰ تمام ادیان پر غلبہ بخشے گا۔

الغرض قرآن مجید میں گو مسیح اور مہدی کا نام نہیں آیا۔ لیکن بہت سی آیات میں ایک شخص کے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے کے متعلق پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ ہم نے اس جگہ بطور نمونہ مذکورہ بالا آیات لکھ دی ہیں۔

احادیث میں مسیح اور مہدی کے آنے کا ذکر

مسیح اور مہدی کے ظہور کے متعلق کتب احادیث میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہم اس جگہ پہلے ان روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں مسیح کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد ان روایات کا ذکر کریں گے۔ جن میں مہدی کے ظہور کی خبر پائی جاتی ہے۔

ظہور مسیح کے متعلق روایات

(ا) مؤطا امام مالکؒ۔ حضرت امام مالکؒ (۹۵ھ ۱۷۹ھ) پہلے امام ہیں جنہوں نے احادیث کا مجموعہ تیار کیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل اور ابن المبارکؒ اور سفیان الثوریؒ وغیرہ نے آپ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی نے فرمایا ہے۔ کہ آسمان کے نیچے مؤطا مالک سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں ہے۔

(مؤطا امام مالک صفحہ ۳۹۲ مطبع مجتبائی)

حضرت امام مالکؒ نے آنے والے مسیح ابن مریم اور دجال کی صفت کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے:۔

ارانی اللیلة عندالکعبة خرأت رجلاآدم کا حسن مایریٰ من اٰدم الرجال له لمة کاحسن ماانت رائی من اللھم قدرجلھافھی تقطرماءً متکئا علی رجلین یطوف بالکعبة فسألتُ من ھٰذا فقیل لی ھذا المسیح ابن مریم ثم اذاانابرجل جعدقطط اعور عین الیمنیٰ کانھا عنبة طافیة فسالت من ھٰذافقال المسیح الدجال"

(مؤطا امام مالکؒ مجتبائی دہلی صفحہ ۳۶۸)

یعنی میں نے اپنے آپ کو آج رات کعبہ کے پاس پایا۔ پھر میں نے ایک مرد دیکھا۔ جو نہایت اعلیٰ گندم گوں رنگ کا ہے۔ اس کے نہایت اچھے بال تھے۔ جو کانوں کی لوتک آتے تھے۔ جنہیں کنگھی کیا ہوا تھا ایسے معلوم ہوتے تھے۔ گویا ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کا طواف کرر ہا تھا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا۔ کہ وہ مسیح ابن مریم ہے۔ پھر میں نے ایک اور شخص دیکھا۔ جس کے گھنگھر والے بال تھے۔ دائیں آنکھ سے کانا گویا اس کی آنکھ انگور کی مانند تھی۔ جس میں کوئی روشنی نہ تھی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ تو جواب ملا کہ المسیح الدجال ہے۔ یہ حدیث ہے جو احادیث کی سب سے پہلی کتاب میں درج ہے۔ اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کشف ہے۔ اس میں کعبہ سے مراد اسلام ہے۔ اور المسیح الدجال سے مراد مسیحی

قوم ہے۔ اور علم التعبیر میں دائیں آنکھ سے مراد دینی آنکھ ہوتی ہے۔ فرمایا کہ دجال کی دینی آنکھ بالکل بے نور ہوگی۔ لیکن بائیں آنکھ خوب روشن ہوگی۔ یعنی دنیاوی امور میں بڑا بصیر اور واقف ہوگا۔ جو قسم قسم کے مکر اور فریب سے اسلام کو نابود کرنا چاہے گا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے مسیح عیسیٰ بن مریم کے آگے آگے دجال کو دیکھا جس سے مراد یہ ہے کہ دجال کعبہ کو گرانے یعنی اسلام کو مٹانے کے لئے کوشش کرے گا۔ اور اس پر قسم قسم کے اعتراض کرے گا۔ اور مسیح ابن مریم اس کے اعتراضات کا جواب دے گا۔ اور اسلامی تعلیم میں جو نقص نکالے گا۔ مسیح موعود اس کی اصلاح کرے گا۔

حضرت امام مالکؒ نے صرف یہی ایک حدیث بیان کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی اور روایت بیان نہیں کی۔

اس کے بعد ہم صحیح بخاری کو لیتے ہیں۔ امام محمدؒ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴ھ ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں ایک تو بعینہٖ وہی روایت ذکر کی ہے۔ جو مؤطا امام مالک کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے۔ اور امام بخاریؒ کی اس روایت میں ''المنام'' کا لفظ بھی مذکور ہے کہ آپ نے خواب یا کشف میں ایسا دیکھا۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۸۹ باب واذکر فی الکتاب مریم)

(۳) اس کے بعد حضرت امام بخاری نے ایک اور روایت حضرت ابو ہریرۃؓ سے یہ درج کی ہے۔

" کیف انتم اذانزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم"

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۹۵ باب نزول عیسیٰ و مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ مصر)

اے مسلمانو! تمہاری کیسی حالت ہوگی۔ جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اس حال میں کہ وہ تمہارے امام ہوں گے۔ اور تم میں سے ہوں گے۔

(۴) حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا:۔

لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماعدلافیکسر الصلیب ویقتل الخنزیرویضع الحرب" (بخاری جلد ا باب نزول عیسیٰ بن مریم صفحہ ۴۹۵)

قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں نازل ہوں۔ اور صلیب کو توڑیں۔ اور خنزیر کو قتل کریں۔ یعنی نصاریٰ کے مذہب کو دلائل سے باطل ثابت کریں۔ اور صلیبی عقیدہ کا غلط ہونا واضح کریں۔ اور مذہبی جنگوں کو موقوف کردیں۔

(۵) حضرت امام مسلم الحجاج بن مسلم القشیری:۔

حضرت امام مسلم (۲۰۴ھ۔۲۶۱ھ) نے بھی اپنی صحیح میں نزول مسیح کے متعلق احادیث لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کَیفَ اَنتم اذانزلَ ابن مریم فیکم فامّکم من مِنُکُمً.

(صحیح مسلم معہ شرح النووی جلد اول صفحہ ۸۷)

کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔ پس وہ تمہارا امام ہوگا۔

دوسری روایت میں جو اس روایت سے بعد درج ہے اس میں متن حدیث کے یہی الفاظ روایت کر کے لکھا ہے:۔

قالَ بْنَ اَبی ذئبٍ تدری مااَنُکم منکم قُلُتُ تخبرنی تال فامّکُمُ بکتاب ربکُم عزَّوجلَّ وسُنة نبیّکُم صلی اللهعلیه وسلّم"

ابن ابی ذئب نے کہا تمہیں معلوم ہے۔ اَمَّکُمُ منکُم کا کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا آپ ہی بتائیں تو انہوں نے کہا کہ مسیح تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق امامت کریں گے۔

انہوں نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا:

لینزلن ابن مریم حکماً عدلاً فلیکسرُنَّ الصّلیُبَ وَلیقتلُن الجزیة ولیترکنَ القلاصُ فَلَا یسعٰی عَلیُهَا"

(صحیح مسلم جلد ا مع شرح النووی صفحہ ۸۷ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ مصر)

یعنی ابن مریم حکم اور عدل کی حیثیت میں ضرور نازل ہوں گے۔ پھر وہ صلیب کو

توڑیں گے۔اور خنزیر قتل کریں گے۔اور جزیہ موقوف کردیں گے۔

اور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔اور انہیں ضروری مہمات کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور ان سے بے اعتنائی برتی جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ اس زمانہ میں دوسری سواریاں نکل آئیں گی۔جن کی وجہ سے ان کی ضرورت نہ رہے گی۔

اسی طرح مسلم نے نواس بن سمعان سے ایک روایت ذکر کی ہے۔جس میں آنے والے مسیح لے لئے عیسیٰ نبی اللہ کے الفاظ چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

(مسلم مع شرح نووی جلد۲ صفحہ۴۰۱)

(۶) حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ ۔ ۲۴۱ھ) نے بھی اپنی مسند میں بہت سی روایات میں مسیح کے آنے کے متعلق لکھا ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرماتا:۔

"يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ منكُمْ اَنْ يّلقىٰ عيسٰے ابن مَرْيَمْ اِمَامًامهديًاً وحَكَماً عَدْلًا فيكسِرُ الصلِيْبَ"

ترجمہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تم میں سے جو زندہ رہے گا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ بن مریم سے ملاقات کرے جو امام مہدی اور حکم وعدل ہوکر آئیں گے اور صلیبی عقیدہ کو باطل ثابت کریں گے۔

(مسند احمد الجزو الثانی صفحہ ۴۱۱ طبع مصر)

اسی طرح ابو عیسیٰ محمد ترمذی (۲۰۹ھ ۔ ۲۷۹ھ) اور ابوداؤد (۲۰۳ھ ۔ ۲۷۵ھ) اور ابوعبدالرحمٰن احمد نسائی (۲۱۵ھ ۔ ۳۰۲ھ) اور ابوعبداللہ محمد بن ماجہ (۲۰۹ھ ۔ ۲۹۳ھ) نے اپنی سنن میں مسیح موعودؑ کے ظہور کے متعلق روایات ذکر کی ہیں۔

ظہور مہدی کے متعلق احادیث

(۱) سب سے پہلی عمدہ تصنیف جو علم حدیث میں لکھی گئی ہے وہ مؤطا امام مالک ہے۔حضرت امام مالکؒ (۹۵ھ ۔ ۱۷۹ھ) نے مہدی کے متعلق کوئی روایت ذکر نہیں کی۔

(۲) اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴ھ ۔ ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں آخری

زمانہ میں کسی مہدی کے ظہور کا ذکر نہیں کیا۔
(۳) اسی طرح امام مسلم نے (۲۰۴ھ۔۲۶۱ھ) اپنی صحیح میں آخری زمانہ میں کسی مہدی کے ظہور کا ذکر نہیں کیا۔
(۴) ان کے علاوہ باقی کتب احادیث میں بہت سی روایتیں مہدی کے متعلق آئی ہیں۔نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

قاضی محمد بن علی شوکانی یمانی ؒ نے اپنے رسالہ توضیح میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

" اما الاحادیث الوارد ة فی المهدی فالذی امکن الوقوف علیه منها خمسون حدیثاً انتھٰی "

(حجج الکرامہ صفحہ ۳۱۸)

کہ مہدی کے بارہ میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے جو میرے علم میں آئی ہیں وہ پچاس ہیں۔ پھر پچاس حدیثیں شمار کر کے لکھتے ہیں کہ یہ وہ پچاس حدیثیں ہیں جن میں صحیح حدیثیں بھی ہیں۔حسن بھی ہیں اور ضعیف بھی اور صحابہ کرام سے جو آثار مروی ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں

(۵) ان روایات کے متعلق محققین متقدمین کی یہ رائے ہے کہ مہدی کے متعلق اکثر روایات جرح سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون احادیث متعلقہ خروج مہدی کا تفصیل وار ذکر کر کے اوران پر محدثین کی جرح اور تنقید کر کے لکھتے ہیں:۔

جملة الاحادیث التی اخرجها الا ئمة فی شان المهدی وخروجه فی اٰخرالزمان وهی کمارأیت لایخلص منها من النقدالا القلیل اوالاقل منه".

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۷۶)

کہ تمام وہ احادیث جو مہدی کے آخری زمانہ میں ظاہر ہونے کے بارہ میں محدثین نے بیان کی ہیں۔ان میں سے نہایت ہی کم تعداد کو چھوڑ کر کوئی روایت تنقید سے محفوظ نہیں۔
(۶) مہدی کے بارہ میں جو روایات مختلف کتب میں ذکر کی گئی ہیں ان میں اس

قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان تطبیق کرنا مشکل ہے۔
مثلاً (۱)

بلحاظ نسب مہدی کن میں سے ہوگا:۔

(الف) ایک روایت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی بنی عباس سے ہوگا۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۶، حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۶)

اور ابن سیرین اور حسن بصری وغیرہ عمر بن عبدالعزیز کو جو بنی امیّہ سے تھے امام مہدی سمجھتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ مہدی حضرت عمر کی اولاد سے ہوگا۔ (ابن عساکر)

تیسری روایت میں ہے رجلٌ من امّتی (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۲ بحوالہ النبر ادالطبر انی) چوتھی روایت میں ہے المھد ی من عترتی (کنز العمال جلد ۷ ۹ حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳) کہ مہدی میرے عترت سے ہوں گے۔ اور عترت کا لفظ بھی تخصیص نہیں کرتا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں: نحن عترة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم (رزقانی شرح مواہب اللدینۃ) کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں۔

پانچویں روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجلٌ من امتی فرمایا۔ کہ وہ میری امت کا ایک فرد ہوگا۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۶)

چھٹی روایت میں ہے کہ وہ امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوگا۔

ساتویں یہ ہے کہ وہ امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہوگا۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۲)

آٹھویں روایت یہ ہے کہ وہ ''من وُلد فاطمہؓ ہوگا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲) (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۶) اور ولد کے معنیٰ جیسا کہ امام خطابی نے کہا ہے '' ولد الرجل نسله وقد یکون الاقرباء وبنی العمومة کہ کسی شخص کے ولد سے مراد اس کی نسل ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کے اقربا اور چچا زاد بھائی ہی ہوتے ہیں۔ (حاشیہ ابو داؤد صفحہ ۵۸۸ مطبع نظامی کانپور)

اسی طرح اس کی مدت قیام اور مقام ظہور وغیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۷۔اختلاف کی وجہ:-

اس اختلاف کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ روایات درحقیقت مختلف اشخاص کے متعلق تھیں۔ اور مہدی ہر ہدایت یافتہ صالح انسان پر بولا جاتا ہے۔جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے حق میں بھی مہدیین کا لفظ استعمال فرمایا۔لیکن علماء نے سب روایات کو ایک شخص کے متعلق سمجھ لیا۔ جو آخری زمانہ میں آئے گا۔مثلاً ایک حدیث میں ہے اسمہٗ المہدی واسمٗ ابیہ اسمٗ ابی کہ اس کا نام میرا نام۔اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔ یہ ظاہری طور پر عباسی خلیفہ محمد المہدی پر چسپاں ہوتی ہے۔ان کا نام محمد تھا اور ان کے باپ کا نام عبداللہ المنصو رتھا۔

اسی طرح ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ اس کی بیعت رکن اور مقام کے درمیان کریں گے۔ اس میں لفظ رجل ہے لیکن اسے مہدی پر لگایا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد عبداللہ بن زبیر ہیں۔روایت کے الفاظ یہ ہیں

" یکون اختلاف عند موة خلیفة فیخرج رجل من اھل المدینة ھارباً الیٰ مکة فیاتیه ناس من اھل مکّه فیخر جونه کارھاً فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث ایه بعث من الشام فیخسف بھم ا لبیداء "

(کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۷)

یہ روایت اس واقعہ پر منطبق ہوتی ہے۔ جب حضرت معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کی بیعت پر اختلاف ہوَا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ سے مکّہ بھاگ آئے۔ پھر شام سے بماتحتی عمرو بن سعید مدینہ پر لشکر چڑھ کر آیا۔جس نے وہاں آکر قتل عام کیا۔ جو یوم الحرّ ۃ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر وہی لشکر مکہ کی طرف آیا۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یزید کی موت کی خبر آگئی۔ اس لئے اس لشکر کو واپس ناکام لوٹنا پڑا۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لوگوں نے رکن اور مقام کے درمیان بیعت کی۔لیکن اس روایت کو بھی مہدی آخرالزمان پر لگایا گیا۔

اسی طرح ایک اور روایت ''المھدی من عترتی وغیرہ احادیث کا مصداق امام حسنؓ کے پڑپوتے محمدؒ بن عبداللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:۔

محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن السبط نے جنہیں نفس زکیہ کہتے تھے حجاز میں خروج کیا۔اور مہدی ان کا لقب ہوا۔

اسی طرح اور بہت سی روایات دوسرے لوگوں پر صادق آئی تھیں لیکن کوشش یہ کی گئی کہ سب کی سب روایات کا مصداق ایک ہی شخص کو قرار دیا جائے۔

پھر ان سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ آخرالزمان کے لفظ سے انہوں نے ہر جگہ مسیح موعود کا زمانہ سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ لفظ بھی نسبتی تھا۔مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے:

'' **یخرج فی اٰخر الزمان اقوام احداث الاسنان الحدیث** ''

(ترمذی جلد۲ صفحہ ۲۹)

اس حدیث میں آخرالزمان کا لفظ آیا ہے۔لیکن اس کے متعلق لکھا ہے:

انماھم الخوارج والحدودیة وغیرھم من الخوارج''

کہ اس حدیث میں جس قوم کے آخرالزمان میں ظاہر ہونے کا ذکر ہے وہ خوارج ہیں۔

لیکن جس روایت میں بھی آخرالزمان کا ذکر آ گیا اس سے مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ مراد لے لیا گیا۔

۸۔امام مہدی کے بارے میں چار مختلف اقوال

صحیح یہی ہے کہ مسیح موعودؑ کے زمانے میں کوئی اور امام مہدی نہیں ہوں گے اختلاف روایات کی وجہ سے مہدی کے بارہ میں چار مختلف اقوال ہیں۔نواب محمد صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ ابن القیم در منار فرمودہ کہ امت مرحوم در مہدی بر چہار قول مختلف اند''

(۱) یکے آنکہ مہدی مسیح ابن مریم است ودرحقیقت مہدی اُواست وحجت ایں قول حدیث محمد بن خالد جندی است یعنی **لامھدی الاعیسیٰ ابن مریم**

(۲) ''دوم آنکه مراد بمہدی خلیفہ عباسیہ است کہ بودو گزشت''

(۳) '' سوم آنکہ مہدی مردی از اہل بیت نبوی از اولاد حسن یا اولاد حسین بن علی باشد''

(۴) قول چہارم رافضہ است کہ مہدی مذکور محمدؑ بن حسن عسکری است''

(حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۷)

صحیح قول:۔ ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے اور مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی اور مہدی موعود نہیں ہے۔ اس لئے کہ:۔

نمبرا۔امام مالکؒ اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحاح میں مسیح موعود کے ساتھ کسی امام مہدی کا ذکر نہیں کیا۔ اگر آخری زمانہ میں مسیح موعود کے ساتھ مہدی کی روایات اس معیار صحت پر پوری اترتیں جو انہوں نے احادیث کے لیے مقرر کیا تھا تو وہ ضرور ان روایات کا ذکر کرتے جن میں مسیح کے ساتھ مہدی کے آنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے اسی لئے ان حدیثوں کو نہیں لیا کہ وہ ان کے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق پوری نہیں اترتی تھیں۔ پس ان احادیث کا ذکر نہ کرنا اور صرف مسیح موعود کے ظہور کے متعلق احادیث کا ذکر کرنا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک مسیح موعود کے ساتھ کسی اور مہدی کے ظہور کا عقیدہ غلط تھا۔

امامکم منکم میں امام سے کون مراد ہے

(۱) بعض علماء امامکم منکم سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں امام سے مراد مہدی ہیں۔ لیکن ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام سے مراد اس حدیث میں خود مسیح موعود ہیں۔ اور امام مہدی کا ان روایات میں کوئی ذکر نہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام مہدی مسیح موعود کے امام ہوں گے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ جب مسلمان صفیں درست کررہے ہوں گے اور نماز کھڑی کی جائے گی
" فَیَنْزِلُ عیسیٰ ابْنُ مَرْیم فَاَمّھُم "
اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو وہ ان کے امام ہوں گے۔
(مشکوٰۃ مطبوعہ محمدی بمبئی صفحہ ۴۵۸ بحوالہ مسلم)
اور نواب قطب الدین صاحب شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
" اگر کوئی یہ کہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ سے کوئی اور امام مراد ہے تو ایک بے ثبوت بات ہے اور متقدین نے تسلیم کرلیا ہے کہ امامکم منکم سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہی ہیں۔"
(مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۳۸۵)
مزید براں علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اس کی تصریح کردی ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ عیسیٰ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور مہدی ان کی اقتدا کریں گے۔ کیونکہ وہ افضل ہیں۔ اور ان کی امامت اولیٰ ہے۔
(شرح عقائد النسفی صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ مصر)
(۲) امام احمد بن حنبل نے مسند میں نزول مسیح کے بارے میں جو حدیث ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ اس میں مسیح کی صفات اماماً مھدیاً حکماً عدلاً ذکر کی ہیں کہ مسیح امام مہدی ہوں گے۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)
آخری زمانہ کے متعلق جو مہدی کے بارہ میں روایات آئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی "امام مہدی" کے لفظ استعمال نہیں ہوئے۔
پس اس حدیث کے مطابق مسیح موعودؑ ہی امام مہدی ہیں۔
(۳) امام ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ (۲۰۹ھ ۲۹۳ھ) نے اپنی سنن میں اور الحاکم نے مستدرک میں انس بن مالک سے روایت کی ہے:۔
" لا تَقُوْمُ الساعَۃُ اِلَّاعلیٰ شرِ ارالناسِ وَلاالمھدیُّ اِلاّ عیسیَ ابن مریم "
(ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵۷)

کہ قیامت شریر لوگوں پر آئے گی۔اور المہدی عیسےٰ ابن مریم مہدی ہوں گے۔اور اس کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہوگا اور عیسےٰ کے سوا اور کوئی مہدی نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں مہدی آخر الزمان ایک علیحٰدہ شخص ہوں گے انہوں نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اور بعض راویوں پر جرح کی ہے اور پھر بشرط صحت اس کی یہ تاویل کی ہے۔

امام شوکانی نے توضیح میں لکھا ہے:

" اماحدیث انس اخرجه ابن ماجه والحاکم فی المستدرک لا مهدی الاعیسیٰ ابن مریم فیکفی ان یقال فی تاویلهٖ لا مهدی کامل ولا شک ان عیسٰے اکمل من المهدی لانه نبی الله وهذالتاویل محتم لمخالفة ظاهره الاحادیث."

(حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۵)

کہ انس کی حدیث جو ابن ماجہ نے اور حاکم نے مستدرک میں لامھدی الاعیسےٰ ابن مریم ذکر کی ہے۔اس کی تاویل میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسیح کے سوا کوئی مہدی کامل نہیں اور اس میں شک نہیں کہ عیسےٰ مہدی سے اکمل ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ یہ حدیث ظاہری لحاظ سے دوسری احادیث کے مخالف ہے۔

حدیث لَامَھْدِیْ اِلَّا عیسٰے بالکل صحیح حدیث ہے

ہمارے نزدیک جیسا کہ امام بن قیم نے اس حدیث کی بناء پر مہدی کے بارہ میں مسلمانوں کا پہلا قول لکھا ہے کہ مسیح کے علاوہ ان کے زمانہ میں کوئی اور امام مہدی نہیں ہوگا۔ صحیح ہے۔اور یہ حدیث مرفوع متصل صحیح حدیث ہے،اور اس کے راویوں پر جو تنقید کی گئی ہے وہ درست نہیں۔

پہلا راوی:۔اس حدیث کا پہلا راوی یونس بن عبد الاعلیٰ الصدفی ہے۔جس سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔اس کے متعلق حافظ بن کثیر نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ابی

حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد اس کو ثقہ قرار دیتے اور اس کی رفعت شان کا ذکر کرتے تھے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے اور علی ابن الحسن کہتے ہیں کہ وہ حافظ الحدیث تھا۔ طحاوی نے کہا ہے کہ وہ عاقل اور فہم رسا رکھنے والا شخص تھا۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۲)

دوسرا راوی:۔ امام محمدؒ بن ادریس شافعی ہیں۔ ان کا ثقہ ہونا مسلم محدثین ہے۔

تیسرا راوی:۔ محمد بن خالد جندی ہے۔ اس کے متعلق امام بن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ اور ابن معین کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۷ میں لکھا ہے۔

کہ محمد بن رافع نے امام احمد بن حنبل کو کہتے سنا کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں اور صفحہ ۲۸۰، ۲۸۳ میں اسے امام الجرح والتعدیل لکھا ہے۔ اور راویوں کے حالات سے بہت واقف قرار دیا ہے اور عمر والناقد کہتے ہیں کہ ہم میں یحیٰ بن معین سے اعلم بالاسناد کوئی نہیں۔

چوتھا راوی: ابان بن صالح ہے۔ اس کو ابن معین اور عجلی اور یعقوب بن شیبہ اور ابوذرع اور ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی اس کا ذکر ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۹۴)

پانچواں راوی: امام حسن بصری ہیں جو ہر طرح سے عادل و ثقہ مشہور ہیں۔

چھٹے راوی: انسؓ بن مالک ہیں جو صحابی ہیں۔ جن کے ثقہ اور عادل ہونے میں شک کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اور حضرت انس اس حدیث کو آنخضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ پس یہ حدیث مرفوع متصل ہے اور اس کی صحت میں شک کرنا درست نہیں۔

محمدؒ بن خالد جندی مجہول راوی نہیں

حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن خالد جندی مجہول ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال سراسر باطل ہے۔ علامہ ابوالحسن بن محمد صادق السندی المدنی جو متاخرین میں سے ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے بخاری مسلم۔ ابن ماجہ اور نسائی اور دوسری کتب کے حواشی لکھے ہیں۔ اور کتاب مجمع البحار لغت۔ احادیث کے مؤلفہ ہیں اور حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

" لامهدی الّاعیسےٰ ای وصفاً لالقباً المتصف بالهدیٰ علیٰ کل وجه بعده صلے اللهعلیه وسلم الیٰ والله اعلم."

(ابن ماجہ مبطوعہ مصر جلد۲ حاشیہ صفحہ ۲۵۷)

پس صحیح مذہب یہی ہے کہ مسیح موعودؑ ہی مہدی ہیں۔ اور آپ کے زمانہ میں کسی اور مہدی موعود کے ظہور کا خیال درست نہیں۔

(۴) امام حسن بصری (۲۱ھ تا ۱۱۰ھ) کہتے ہیں۔

" اِنْ کانَ مَهْدِیٌّ فَعُمُرُ بن عَبْدِالْعزیزوَاِلَّا فَلَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَم "

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳ مؤلفہ امام جلال الدین سیوطیؒ)

اگر امت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ ورنہ عیسےٰ بن مریم کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

(۵) اور ابن عون کہتے ہیں کہ امام ابن سرین (۳۳-۱۱۰ھ) حضرت عمر بن عبدالعزیز کا امام مہدی کے نام سے ذکر کیا کرتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳)

(۶) اسی طرح حدیث لامَھْدی الاعیسیٰ کو مستند سمجھتے ہوئے معتزلہ اور ان کے امثال نے مسیح کے علاوہ ظہور مہدی آخرالزماں کا انکار کیا ہے۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶)

(۷) پس حق بات یہی ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کا عقیدہ ایسا ہے جس کی تائید قرآن

مجید سے بھی ملتی ہے۔ اور جس کا کسی زمانہ میں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی حدیث اس عقیدہ کے خلاف پائی جاتی ہے۔ اور مسلمان نسلاً بعد نسلٍ مانتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ظہور مہدی کے متعلق مسلمانوں میں یہ اختلاف رہا ہے کہ آیا مسیح ابن مریم ہی امام مہدی ہوں گے۔ یا کوئی اور شخص امام مہدی ہوگا۔ اس کے متعلق ہم اوپر تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ آخری زمانہ میں خود مسیح موعود ہی مہدی ہوں گے۔ چنانچہ نواب نور حسن خاں ابن نواب محمد صدیق حسن خاں اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں مہدی کے متعلق روایات اور اقوالِ ائمہ کا ذکر کر کے نزول مسیحؑ کی خبر اور ظہور مہدی کی خبر کا موازنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

''قرآن مقدس کے بعد کوئی کتاب صحیح بخاری و صحیح مسلم سے زیادہ صحیح نہیں ہے .... جس طرح عیسےٰ علیہ السلام نے انجیل میں بڑی دھوم دھام سے خبر خاتم الرسل کے نام نشان بتا کر دی تھی۔ سو اسی طرح خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر ان کے نزول کی ہم کو دی ہے بلکہ خود خدائے پاک نے یہ خبر بذریعہ قرآن کریم ہم کو سنائی ہے۔ کوئی شخص مجتہد بوجہ حدیث لامھدی الاعیسےٰ باوجود ضعف سند کے اگر مہدی کے آنے کا انکار کرے تو کرے اس لئے کہ قرآن کریم میں ان کے ظہور کی خبر نہیں دی ہے۔ صحیحین میں ان کا ذکر صراحتاً نہیں آیا ہے۔ گو احادیث مہدی کو علمائے اسلام نے متواتر المعنی کہا ہے۔ سنن میں ان حدیثوں کو روایت کیا ہے۔ مگر نزول مسیح علیہ السلام میں تو بال برابر کا بھی کچھ فرق نہیں۔ دھوکہ نہیں ہے۔ عیسائی بھی ان کے آنے کے قائل ہیں۔ منتظر ہیں۔ ہم نے مانا۔ مہدی نہ آویں اس میں کچھ تکذیب قول مشہور اہل اسلام کی نہیں ہے۔ ابن مریم تو سب کے نزدیک آئیں گے۔ کہیں خدا انہیں لے آوے۔ جو بات ہم مہدی کے آنے سے خیال کرتے ہیں وہ کام ان سے بخوبی نکلے گا۔ مہدی آویں یا نہ آویں۔ اسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ ان کا آنا ہی ہم کو کفایت ہے۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸)

پھر لکھتے ہیں:۔

''ہاں صحیحین میں کہ الکتاب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہیں ذکر نزول عیسےٰ علیہ السلام کا اور بیان خروج دجال کا آیا ہے سواس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں بلکہ خود قرآن پاک سے نزول عیسےٰ ابن مریم کا خروج یا جوج وماجوج کا خروج وابتدالارض کا ثابت ہے۔ اگر یہی بات ٹھہری کہ عیسےٰ علیہ السلام ہی مہدی ہوں گے تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ فقط اتنی بات ہے کہ احادیث ظہور مہدی علیہ السلام کے بلا کسی وجہ وجیہہ کے اسقط وساقط ہوتے ہیں۔ یہی سہی کہیں حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام ہی جلد رونق بخش ہوں۔ اگر مہدی نہیں آتے تو نہ آویں۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۳)

مولانا مودودی صاحب کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے تحقیقاتی عدالت کے دس نکات یا سوالات کے جواب دیتے ہوئے ظہور مہدی و مسیح کے متعلق مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔ ظہور مہدی کے متعلق مولانا صاحب لکھتے ہیں:۔

''اس مسئلہ میں دو قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن میں لفظ مہدی کی تصریح ہے۔ دوسری وہ جن میں صرف ایک ایسے خلیفہ کی خبر دی گئی ہے جو آخری زمانے میں پیدا ہوگا۔ اور اسلام کو غالب کردے گا۔ ان دونوں قسم کی روایات میں سے کسی ایک کا بلحاظ سند یہ پایہ نہیں ہے کہ امام بخاریؒ کے معیار تنقید پر پورا اترتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں کسی کو بھی درج نہیں کیا۔ مسلم نے صرف ایک روایت لی ہے جو لفظ مہدی سے خالی ہے۔''

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صاحب صفحہ ۴)

پھر لکھتے ہیں:۔

''متعدد روایات میں اس امر کی اندرونی شہادت موجود ہے کہ ابتدائے اسلام میں جن جن مختلف پارٹیوں کے درمیان سیاسی کشمکش برپا تھی انہوں نے اپنے مفاد کے مطابق اس پیشگوئی کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور یہ روایات انکے سیاسی کھیل کا کھلونا بننے سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں''۔

''تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام روایات بالکل ہی بے اصل ہیں۔تمام آمیزشوں سے الگ کر کے ایک بنیادی حقیقت ان سب میں مشترک ہے اور وہی اصل حقیقت ہے۔کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ظلم وستم مٹا دے گا۔سنت نبوی پر عمل کرے گا۔اسلام کو غالب کردے گا۔اور خلق خدا میں عام خوشحالی پیدا کردے گا۔''

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صاحب صفحہ ۵)

پھر لکھتے ہیں:۔

''یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے۔اہل سنت کی کتب عقائد اس سے بالکل خالی ہیں۔''

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صاحب صفحہ ۵)

مولانا مودودی صاحب نے اپنے اس بیان میں جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ مسلمانوں کے مشہور عقیدہ کے سراسر منافی ہے۔مولانا صاحب کا یہ خیال کہ اہل سنت کی کتب عقائد ظہور مہدی کے ذکر سے خالی ہیں درست نہیں۔مثلاً لوائح الانوار (شرح عقیدۃ السفارینی جلد۲ صفحہ ۶۷) میں اشراط ساعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

'' مِنۡهَاالۡاَمَامُ اَلۡخَاتَمُ الۡفَصِيۡح
مُحَمَّدٌ اَلۡمَهۡدِیُ وَالۡمَسِيۡحُ''

یعنی اشراط ساعۃ میں سے امام محمد مہدی کا جو خاتم اور فصیح ہوں گے اور مسیح کا ظہور

ہے۔ اور علامہ محمد السفارینی الحنبلی نے ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی اور شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے تحریر فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اوران کی امامت کریں گے۔'' وَیَقْتَدِیْ بِہِ الْمَھْدِیْ '' اور مہدی ان کی اقتداء کریں گے۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام افضل ہیں اوران کی امامت اولیٰ ہے۔

(شرح عقائد نسفی مع شرح نبراس صفحہ ۴۴۷)

اور مولانا عبدالعزیز فرہاری ۱۳۳۹ھ میں اپنی کتاب نبراس میں لکھتے ہیں:۔

'' **تواترت الاحادیث فی خروج المھدی** ''

(نبراس شرح بشرح العقائد النسفی صفحہ ۵۲۴)

کہ خروج مہدی کے بارہ میں حدیثیں تواتر کے ساتھ مروی ہیں اور حضرت ملاعلی قاریؒ (۱۰۱۰ھ) شرح فقہ اکبر میں خروج دجال اور یاجوج وماجوج وغیرہ علامت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:۔

ان میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ ترتیب کے لئے نہیں کیونکہ ترتیب وقوع کے لحاظ سے (**ان المھدی علیہ السلام یظھر اولا شرح الفقہ الاکبر** صفحہ ۱۰۰) مہدی علیہ السلام کا ظہور خروج دجال سے پہلے ہوگا۔

ہمیں اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر مسیح علیہ السلام کے علاوہ کسی اور مہدی یا خلیفہ یا لیڈر نے مذکورہ بالا تمام اغراض ومقاصد کو جن کا ذکر مولانا صاحب نے اوپر کیا ہے پورا کردینا ہے۔ تو پھر مسیح علیہ السلام کے آنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

ہمارا نقطۂ نظر اس بارہ میں جیسا کہ ہم اصل سوال کے جواب میں اوپر لکھ چکے ہیں وہی ہے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے عظیم الشان گروہ کا رہا ہے۔ جس کا ذکر بحوالہ حضرت امام ابن القیمؒ اوپر ہو چکا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مبارک ''**لا مھدی الا عیسیٰ** '' کے مطابق یہ ہے کہ مسیح موعودؑ ہی مہدی آخرالزمان ہوں گے اور وہی امام مہدی کا لقب پائیں گے۔ جیسا مسند امام احمد بن حنبلؒ کی روایت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ

وسلم نے آنے والے ابن مریم کے حق میں '' اماماً مھدیًا '' کا اعلان فرمایا ہے۔

ظہور مسیحؑ

ظہور مسیح کے متعلق مولانا مودودی صاحب نے واضح الفاظ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ:۔

''مسیح علیہ السلام کا نزول ثانی مسلمانوں کے درمیان ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔اس کی بنیاد قرآن وحدیث اور اجماعِ امت پر ہے۔''

(// // //صفحہ۱)

پھر احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

''اس بناء پر یہ بات یقینی ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی ضرور خبر دی ہے۔ نا قابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے۔ اگر ایسی شہادتوں کو بھی رد کیا جاسکتا ہے تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔''

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صفحہ۲)

پھر لکھتے ہیں:۔

'' پہلی صدی سے آج تک امت کے تمام علماء اور فقہار اور مفسرین اور محدثین کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ مسیحؑ کی آمد ثانی کی خبر صحیح ہے۔''

(بنراس شرح بشرح العقائد النسفی صفحہ۲)

جناب مولانا صاحب کی ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ وہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت سمجھتے ہیں اور اس عقیدہ کو ایسی نا قابل تردید شہادتوں سے ثابت شدہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ایسی شہادتوں کو رد کیا جائے تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اس حد تک ہم اور مودودی صاحب متفق ہیں۔

دوسرا سوال

کیا مسیح جن کا آئندہ ظہور تسلیم کیا گیا ہے وہی عیسےٰ ابن مریم ہونگے یا کوئی اور

جواب: (الف) امام سراج الدین ابن الوردی (وفات ۷۴۹ھ) کے قول کے مطابق امت میں تین گروہ مختلف خیالات کے پائے گئے ہیں:۔

اول:۔ یہ کہ حضرت عیسےٰ ابن مریم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ آسمان پر بجسدہ العنصری اٹھائے گئے تھے۔ اور وہ اب تک آسمان پر زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور یہی امام ابن الوردی کا اپنا مذہب ہے۔

دوم:۔ امت محمدیہ کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ عیسےٰ ابن مریم کے نزول کے متعلق جو پیشگوئی ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اصالتاً حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام آئیں گے بلکہ امت محمدیہؐ میں سے کوئی شخص مسیحؑ کا ہم صفات یا اس سے مشابہت رکھنے والا مبعوث کیا جائے گا۔

سوم:۔ ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی روح کسی اور شخص کے جسم میں ظاہر ہوگی۔

امام ابن الوردی کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے۔ آپ نزول عیسےٰ کے عقیدہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

"ثُمَّ اَخۡتَلَفَ الۡمُتَاَوِّلُوۡن لَهٗ فَقَالَ اَكۡثَرُهُمۡ وَاَحَقُّهُمۡ بالتَّصۡدِيۡقِ هُوَاَنَّ عِيۡسٰے عَلَيۡهِ السَّلَامُ بعينِهٖ يُرَدُّاِلٰى الدُّنۡيَاوَقَالَتۡ فِرۡقَةٌ مِنۡ نُزُوۡل عِيۡسٰے خُرُوۡجُ رَجُلٍ يُشۡبِهُ عِيۡسٰے فِى الۡفَضۡلِ وَالشرَّفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الخَيۡرِ مَلَكٌ وللشَّرِيرشَيۡطَانٌ تشبيهَابِهِمَاوَلَايُرادُ الۡاَعۡيانُ

وَقَالَ قَوْمٌ َرَدُّوجهٖ فِیْ رَجُلٍ اِسْمُہٗ عِیْسٰی والاٰخران لیسابشیءٍ
واللّٰہُ اَعْلَمُ"

(خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب صفحہ۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی بشارح الملوحی مصر)

ترجمہ:۔ پھرتاویل کرنے والوں نے نزول عیسےٰ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے اکثر نے جوزیادہ سزاوار تصدیق ہیں یہ کہا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام بذاتہٖ دنیا میں واپس آئیں گے۔

اور ایک اور گروہ نے نزول عیسےٰ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل وشرف میں عیسےٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔

جیسے کہ تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہہ دیتے ہیں۔مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی روح ایک شخص کے جسم میں آئے گی جس کا نام عیسےٰ ہوگا۔ اور آخری دورائیں بے حقیقت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

امام سراج دین ابن الوردی کے اس قول میں دوسرے گروہ کا جو مذہب بیان ہوا ہے وہی جماعت احمدیہ کا ہے۔ تیسرا گروہ بھی درحقیقت دوسرے گروہ کی طرح یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان سے خودنہیں آئیں گے۔ لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی روح کسی شخص کے جسم میں حلول کرے گی۔ ان کے مقابلہ میں ایک اور گروہ ہے جو کہ عیسےٰ علیہ السلام کی بروزی آمد کا قائل ہے۔ اور مراد اس کی یہ ہے کہ عیسےٰؑ کی روحانیت کسی اور وجود میں ظاہر ہوگی۔ اس شدت مناسبت کی وجہ سے جو اس میں اور مسیح علیہ السلام میں پائی جائے گی۔ اس کو عیسےٰ کا نام دیا جائے گا۔

چنانچہ محمد اکرام صاحب صابری لکھتے ہیں:۔

"بعضے برآنند کہ روح عیسٰے درمہدی بروز کند ونزول عبارت از ہمیں بروزاست مطابق ایں حدیث کہ لامھدی الاعیسٰے ابن مریم۔"

(اقتباس الانوار صفحہ ۵۲)

پس قائلین بروز کا عقیدہ بھی دوسرے گروہ کا ہی عقیدہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ

جماعت احمدیہ کا عقیدہ نزول مسیح ابن مریم کے بارے میں کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ علماء امت محمدیہ کے ایک گروہ کا پہلے سے یہی عقیدہ رہا ہے۔

(ب) چونکہ قرآن کریم کی آیات سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ اسرائیلی نبی حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور نیز قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو وفات پا جائیں وہ اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیامت کو ہی اٹھائے جائیں گے۔ اس لئے ہمارے نزدیک حضرت عیسےٰ ابن مریم کا بذاتہٖ امت محمدیہ میں آنے کا خیال درست نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ امت محمدیہ میں سے ایک شخص جو عیسےٰ ابن مریم سے کمال مشابہت رکھتا ہوگا وہ اس مشابہت کی وجہ سے مسیح اور ابن مریم کہلائے گا۔

(ب) وفات مسیح

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

پہلی آیت: حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سوال کرے گا۔ کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ تمہیں اور تمہاری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنائیں۔ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ میں نے تو ان سے وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا اور وہ بالکل صاف اور واضح حکم تھا کہ:۔

اَنِ اعۡبُدُوۡا اللہَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ

کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کہیں گے

وَکُنۡتُ عَلَیۡھِمۡ شھیداً مَّادُمۡتُ فِیۡھِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡھِمۡ.

(مائدہ رکوع ۱۶)

اور میں ان کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔

مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا رقیب و محافظ تھا۔ (اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو کب معبود بنایا اور کیونکر بنایا) بہر حال میری زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسےٰ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے دو زمانوں کا ذکر کریں گے۔موجودگی کا زمانہ اور جب وہ اپنی قوم میں موجود نہ رہے۔ ان دونوں زمانوں کے درمیان لفظ تَوَفَّيْتَنِيْ بطور حدّ فاصل ہے۔، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے اپنی قوم سے جدا ہونے کا باعث ان کی وفات ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

اس سوال کے جواب کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ہو چکا ہے یعنی عالم برزخ میں یہ سوال و جواب ہو چکا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کو ہوگا۔ بہر حال دونوں تفسیروں کی رو سے ان کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہے کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے جواب سے ظاہر ہے کہ عیسائیوں میں تثلیث کا عقیدہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں نہیں پھیلا۔ بلکہ ان کی وفات کے بعد پھیلا ہے۔ اور قرآن مجید شہادت دیتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

(المائدہ رکوع ۱۰)

اور

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

(المائدہ رکوع ۱۰)

کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔اور اسی طرح وہ لوگ جو تثلیث کے قائل ہیں کافر ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

اس استدلال کی صحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام بخاری نے اس آیت

کی تفسیر کرنے کے لئے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے دن میرے چند صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ میرے صحابہ ہیں

" فَيُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مااَحدَثوابَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَاقَالَ الْعَبْدُالْصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً مَّا دَمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ فَيُقَالُ اِنَّ هٰؤلآءِ لَمْ يزالُوْامُرْتَدِّيْنَ عَلٰی اعْقَابِهِمْ.

(بخاری جلد۲صفحہ ۶۶۵)

تو یہ کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا۔اور کیا کیا بدعات نکالیں۔آپ فرماتے ہیں۔تو میں وہی قول کہوں گا جو قول کہ عبد صالح یعنی عیسٰی علیہ السلام کا قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ میں اس قوم پر نگران وشھید تھا۔جب تک کہ ان میں رہا۔لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر رقیب ونگران تھا۔اور یہ کہا جائے گا کہ جب سے تو ان سے جدا ہؤا وہ اسی وقت سے مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث سے حضرت عیسےٰ کے قول فلمّا توفیتنی کی تشریح ہوگئی۔اور ظاہر ہوگیا کہ جیسے مرتد ہونے والے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے۔اسی طرح عیسائیوں میں تثلیث و الوہیت مسیح کا عقیدہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پھیلا۔لہذا ان کی وفات ثابت ہے۔

دوسری آیت:۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا عِيْسٰے اِنِّی مُتَوَفِّيْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الّذِيْنَ کَفَرُوْا وَجاعِلُ الَّذِيْنَ اتبعُوْکَ فَوْقَ الّذِيْنَ کَفَرُوْااِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةَ .

(آل عمران رکوع ۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے چار وعدے کئے ہیں۔ (۱) مَیں تجھے طبعی وفات دوں گا۔یعنی دشمن جو تیرے قتل کے منصوبے کر رہے ہیں میں انہیں ناکام کروں گا اور تجھے طبعی وفات دوں گا۔(۲) میں تیرا اپنی طرف رفع کروں گا (۳) اور تجھے منکرین کے الزامات اور اعتراضات سے بری کروں گا۔(۴) اور تیرے متبعین کو

تیرے منکرین پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔

قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ چاروں وعدے پورے ہو چکے ہیں۔ متوفیکَ میں جو طبعی وفات کا وعدہ تھا اس کا پورا ہونا آیت ''فَلَمَّا تَوَفیتنی '' سے ظاہر ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔

دوسرے وعدے کے متعلق فرمایا: ''بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْہِ'' (نساء رکوع ۲۲) کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کا رفع اپنی طرف کیا۔

(۳) اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ اور اَیّدَناہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرما کر اور ان کی پاکیزگی اور روحانی مراتب کا ذکر کر کے ان کی الزامات سے بریت ثابت کی اور یہود کے الزامات کی موجہ طور پر تردید کی۔

(۴) اور آیت فَاَصْبَحُوْ ظاھِرِیْن (الصّف رکوع ۲) میں چوتھے وعدہ کے ایفاء کا ذکر کیا۔ کہ عیسےٰ علیہ السلام کے ماننے والے ان کے نہ ماننے والے گروہ پر غالب آ گئے۔

الغرض یہ سب وعدے پورے ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا وعدہ انی متوفيك ہے۔ اور محققین مفسرین مثلاً امام زمخشری صاحب تفسیر کشاف ۔ اور امام فخر الدین رازی وغیرہ نے اس کے معنی یہی کئے ہیں۔ کہ تجھے طبعی موت دوں گا۔ اور یہود تجھے قتل نہیں کر سکیں گے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کے معنی '' ممیتک'' روایت کئے ہیں۔ یعنی میں تجھے موت دینے والا ہوں۔ اور '' رَافِعُکَ اِلیّ'' کے معنی بھی محقق مفسرین نے روحانی رفع کے کئے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں ایک قول یہ ذکر کیا ہے۔

''وَرَافعک الی هوالرفعة بالدرجة والمنقبة لابالمكان والجهة كماان الفوقية فی هذه الآية ليست بالمكان بل الدرجةوالرفعة.''

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۶۹۱)

آیت و رافعک الیّ میں درجہ و رتبہ و شان کی بلندی اور رفعت مراد ہے۔ مکان اور جہت کی طرف اٹھانا مراد نہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں منکرین پر فوقیت سے مراد بھی مکانی

نہیں بلکہ درجہ اور رفعت کی فوقیت مراد ہے۔ بعض مفسرین جنہوں نے متوفیک میں نیند یا پورا پورا پکڑنا یا اور تاویلیں کی ہیں۔ مثلاً کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ صاحب فتح البیان یہ تاویل ذکر کر کے یہاں وفات سے موت مراد نہیں لکھتے ہیں:۔

"اِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاْوِیْلِ االوَفاۃ، بِمَاذُکِرَ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَہٗ اِلَی السَّمَاءِ مِنْ غیروَفاۃٍ"

(فتح البیان جلد۲ صفحہ۴۹)

کہ مفسرین کو لفظ وفات کی تاویل کرنے کی اس لئے ضرورت پڑی کیونکہ صحیح بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو بغیر وفات یعنی موت دینے کے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ گویا اصل آیت سے تو ان کی وفات ثابت ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ ان کا اپنا عقیدہ تھا۔ کہ وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ روایات کو قرآنی آیت کے تابع کرتے۔ مفسرین نے اپنے عقیدہ کو اصل قرار دے کر قرآنی آیت کی تاویل کر دی۔ لیکن امام ابن حزم نے اس تاویل کی تردید کی ہے اور یہ آیت انی متوفیک اور آیت فلمّا توفیتنی کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

" لَمْ یُرِدْ عِیْسٰے عَلَیْہِ السَّلَامُ بقولِہٖ فَلَمَّاتوفّیتنِیْ وَفَاۃُ النَّوْمِ وَصَحَّ اِلَّاَہٗ انّمَاوَفَاۃُ الْمَوْتِ "(المحلی صفحہ۲۶)

یعنی آیت فلما توفیتنی میں توفی سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی نیند مراد نہیں بلکہ موت مراد ہے۔

توفّی کے معنیٰ

عربی زبان میں توفی کا لفظ باب تفعل سے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ہو اور مفعول ذی روح انسان ہو اور منام یا لیل کا کوئی قرینہ نہ ہو جس سے نیند والی قبض روح مراد ہو۔ تو اس کے معنی قبض روح اور موت کے سوا اور کوئی نہیں ہوتے۔ حضرت بانئ جماعت احمدیہ نے ایسے شخص کو ایک ہزار روپیہ بطور انعام دینے کا وعدہ کیا ہے جو اس دعویٰ کے خلاف

قرآن کریم۔حدیث شریف دواوین عرب اور دیگر کتب عربیہ اورعربی لغت سے کوئی ایک ہی مثال پیش کرے عرصہ ساٹھ سال سے ہمارا یہ چیلنج قائم ہے۔مگر کوئی شخص ایک مثال بھی اس کے خلاف پیش نہیں کرسکا۔

مذکورہ بالا ترکیب کے مطابق جہاں کہیں لفظ توفی وارد ہوا ہے۔اس سے قبض روح اور موت ہی مراد ہے۔ مثلاً آیات قرآنی تَوَفَّنَامَعَ الْاَبْرَار (آل عمران رکوع ۲۰) تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً (یوسف رکوع۱۱) اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (مومن رکوع۸) وغیرہ آیات میں توفّی سے مراد وفات ہی ہے۔اسی طرح عربی ڈکشنریوں میں تَوَفّا ہُ اللّٰہُ کے معنی قَبَضَ رُوْحَہ ہی لکھے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرلی اور وہ شخص مرگیا۔

رفع:۔اس طرح جب رفع کرنے والا خدا ہوا ورمرفوع کوئی انسان ہو۔تو اس کے معنی جسمانی رفع کے ہرگز نہیں ہوتے۔ بلکہ بلندیٔ درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔عربی زبان کی ڈکشنری لسان العرب میں لکھا ہے:۔

"وَفِیْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ الرَّافِعُ الَّذِیْ یَرْفَعُ اَلْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسعَادِوَاَوْلیاءَ ہٗ بِالتّقْرِیْبِ"

(لسان العرب زیرلفظ رفع جلد۹صفحہ۴۸۸)

کہ اللہ تعالیٰ کے نام الرافع کا یہ مطلب ہے کہ وہ مومنون کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انہیں سعادت بخشتا ہے۔اور اپنے اولیاء کا ان معنوں میں کہ ان کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔'' مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ'' (کنز العمال جلد۲صفحہ۵۱)

جو اللہ تعالیٰ کے آگے خاکساری اختیار کرے۔تو اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔

بلکہ ایک اور روایت میں ہے اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُرَفَعَہُ اللّٰہ ُ الَی السَّماء السَّابعۃِ (کنز العمال جلد۲صفحہ۲۵)

کہ جب بندہ فروتنی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان تک رفع کرتا ہے۔ باوجود اس روایت میں آسمان کا لفظ ہونے کے کوئی یہ معنی نہیں کرتا کہ فروتنی اورانکساری اختیار کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ آسمان پر اٹھالیا کرتا ہے۔خود آنحضرت صلے

اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے لئے رَفَعَہُ اللہ الیہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو(ما ثبت بالسنة مطبع محمدی لاہور صفحہ ۲۹ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی و نیز تفسیر صافی صفحہ ۱۱۳)

پس لفظ رفع سے بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ لفظ قرآن مجید میں ان کے لئے یہود کے اعتراض کو دور کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے اس مسیح ابن مریم کو جو اپنے آپ کو خدا کا رسول اور اس کا مقرب بتا تا تھا صلیب پر لٹکا کر مار دیا ہے۔ اور ان کے عقیدہ کے مطابق جو مصلوب ہو وہ خدا کے نزدیک لعنتی ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لفظ رفع کے ساتھ انہیں یہ جواب دیا ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ وہ لعنتی نہیں تھا بلکہ وہ میرا مقرب تھا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کی پیدائش سے پہلے بطور پیشگوئی فرمایا تھا۔ '' و من المقربین '' (آل عمران رکوع ۶) کہ وہ مقرب ہوگا۔

تیسری آیت:۔ '' وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰىٓ اَعْقَابِكُمْ ط (آل عمران)

ترجمہ:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں۔ آپ کے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر آپ فوت ہو جائیں۔ یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وا لہٖ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت جن میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں وفات پا جانے کی خبر دی ہے۔ اور دنیا سے گزر جانے کے صرف دو طریق قرار دیئے ہیں موت اور قتل ۔ اگر کوئی تیسری صورت گزرنے کی ہوتی۔ جیسے آسمان پر چلے جانا تو اس کا بھی اس آیت میں ذکر ہوتا۔ پس اس آیت سے بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔

اجماع صحابہؓ

احادیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ کی

وفات کی خبر مدینہ میں پھیلنی شروع ہوگئی تو صحابہؓ کو آپؐ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جوکوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہے گا اس کی گردن اڑا دوں گا۔ تو حضرت ابو بکر نے اس روز ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے فرمایا:

" مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّداً (صلى اللهعليه وسلم) قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَان مِنْكُمْ يَعْبُدَاللهَ فَاِنَّ اللهَحَيٌّ لَايَمُوْتُ قَالَ الله وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ "

(بخاری جلدا صفحہ ۵۱۷)

جو تم میں سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے محمدؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کا پرستار ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ زندہ ہے۔ اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمدؐ تو اللہ تعالیٰ کے صرف ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے جس قدر رسول آئے وہ وفات پا چکے ہیں۔

یہ آیت پوری پڑھ کر سنائی۔ دوسری روایت میں ہے۔

فَتلقَّا هَا النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشراً مِّنَ النَّاس اِلَّايَتْلُوْهَا.

کہ یہ آیت تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے سُن کر یاد کر لی۔ پس میں ہر ایک شخص کو اس دن اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔ اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت پڑھی تو اُسے سن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہوسکتا تھا۔ اور زمین پر گر گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ وفات پا چکے ہیں۔

اس آیت سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کے استدلال کو دلیل استقرائی پیش کر کے توڑا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں۔ اور آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ کی وفات کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کا اگر یہ ایمان ہوتا کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر بجسده العنصری زندہ موجود ہیں تو وہ اس وقت یہ کہہ سکتے تھے کہ حضرت عیسےٰ بھی تو رسول ہی تھے وہ کیوں زندہ ہیں۔ لیکن کسی صحابی کا ایسا ذکر نہ کرنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اس دلیل

سے کہ آپ کے پہلے تمام رسول وفات پا چکے ہیں۔
یقین کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صحابہ ان سب رسولوں کی منجملہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔

احادیث۔آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَوْکَانَ مُوْسٰے وَعِیْسٰے حَیَّیْنِ لَمَاوَسِعَھُمَا اِلَّااتّبَاعِیْ"

(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۴۶)

کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دونوں زندہ نہیں ہیں۔

(۲) ایک حدیث میں یہ بھی ہے:۔ **" لَوْکَانَ عِیْسٰے حَیّاً لَمَاوَسِعَہٗ اِلَّااتبَاعِیْ "** (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۰۱)

یعنی اگر عیسےٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

پھر چار اماموں میں سے پہلے امام حضرت امام مالک بن انسؓ ہیں۔ وہ بھی وفات مسیح کے قائل تھے۔

وَالْاَکْثَرُ اِنَّ عیسٰے لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مات. (مجمع البحار جلد ا صفحہ ۲۸۶)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ عیسےٰؑ نہیں مرے۔مگر امام مالک نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

تاریخ:۔ جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا اس امر پر (یعنی وفات مسیح پر) اجماع ہو گیا تھا۔اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اگر کوئی شخص عیسائی خیالات سے متاثر ہو کر حضرت عیسٰے کی وفات کے بارے میں شبہ بھی رکھتا ہو تو رکھتا ہو۔لیکن آپ کی وفات پر کل صحابہ ان تمام انبیاء کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے تھے وفات کے قائل ہو گئے تھے۔مرتدین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو آپ تکذیب کی وجہ بنا لیا تھا اور کہتے تھے لو کان محمد

نبیالمامات کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ اس کا جواب قرآن مجید سے یہی دیا گیا کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ سب وفات پا چکے ہیں اس لئے آپ کا وفات پانا بھی آپ کی شان نبوت کے مخالف نہیں۔ مگر مخالفین کا فتنہ تمام قبائل میں پھیل گیا۔ اور اسی بناء پر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی تھے تو فوت کیوں ہوگئے۔ اہل بحرین وحطم وغیرہ مرتد ہوگئے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابن جریر الطبری جارود بن معلیٰ کے قبیلے عبدالقیس کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں اسلام میں داخل ہوئے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی اور جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ ان کے قبیلے عبدالقیس نے کہا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو وہ کبھی فوت نہ ہوتے۔ اور سب مرتد ہوگئے۔ جب اس کی اطلاع جارود کو ہوئی تو انہوں نے سب کو جمع کیا اور کہا۔ اے گروہ عبدالقیس میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر تم اسے جانتے ہو تو بتانا۔ انہوں نے کہا جو چاہو پوچھو۔ جارود نے کہا جانتے ہو کہ گزشتہ زمانہ میں اللہ کے نبی دنیا میں آچکے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ جارود نے کہا پھر کیا ہوا۔ انہوں نے کہا وہ فوت ہوگئے۔ تو انہوں کہا اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ جس طرح سابقہ انبیاء دنیا سے اٹھ گئے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

ان کی قوم نے کہا ہم بھی شہادت دیتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں۔ اور بے شک محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور ہم تم کو اپنا برگزیدہ اور سردار تسلیم کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اسلام پر ثابت قدم ہوگئے۔

(ترجمہ تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ ۹۴-۹۵ مطبوعہ دارالمطابع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اس تاریخی واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین نے اپنے ارتداد کی وجہ آنحضرت صلے للہ علیہ وسلم کی وفات قرار دی۔ اور ان کی یہ دلیل آپ سے پہلے تمام نبیوں کی وفات پیش کر کے توڑی گئی۔ اور یہ دلیل صرف اسی صورت میں درست ہوسکتی تھی جب کہ آپ سے پہلے گزرے ہوئے کل نبیوں کی وفات تسلیم کی جاتی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی وفات کی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔لیکن بعد میں جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات ہوئیں۔اور عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی تربیت کا کماحقہٗ انتظام نہ ہوسکا تو ان کے ذریعہ مسلمانوں میں وہ خیالات پھیلنے شروع ہوگئے جو وہ اسلام لانے سے پہلے رکھتے تھے۔اور چونکہ عیسائی اور یہودی اہل کتاب اور اہل علم شمار کئے جاتے تھے۔جب وہ مسلمان ہوگئے تو ان کی باتوں کو عام مسلمان توجہ سے سننے لگے۔اور آہستہ آہستہ قرآن مجید کی آیتیں ان خیالات کے مطابق حل کی جانے لگیں۔ چنانچہ تفاسیر میں ایسی ایسی باتیں ملتی ہیں جو یقینی طور پر عیسائی خیالات سے ماخوذ ہیں۔مثلاً حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں وہب بن منبہ سے آیت اِنّی متوفیک ورافعک کی تفسیر کی ذیل میں یہ قول نقل کیا ہے۔

" **اَمَاتَهُ اللّٰهُ ثَلاثَةَ اَیَّامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ثَمَّ رَفَعَهُ** "

(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد۲ صفحہ۲۲۹)

کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو تین دن تک وفات دی۔

اور پھر انہیں اٹھایا۔اور پھر انہیں آسمان پر لے گیا۔اسی طرح سعید بن المسیب نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔

" **رُفِعَ عِیسٰی وھُوَابْنُ ثلاثَ وَثَلاثِیْنَ سَنَة رَفَعَهُ اللّٰهُ مِنْ بَیْتِ المقدّسِ.** "

(فتح البیان جلد۲ صفحہ۴۹)

کے عیسٰے 33 سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس سے آسمان پر اٹھالیا۔

ان دونوں قولوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔وہ موجودہ اناجیل متی مرقس۔لوقا۔ یوحنا میں بالصراحت موجود ہے۔اور امام ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے۔

" **وَاَمَّ مَایُذکر عَنِ الْمَسیحُ انَّهُ رُفِعَ الی السَّماءِ وَلَهُ ثَلاثَةُوَثَلاثوُنَ سَنَةً فَهٰذا لایُعْرفِ لَهُ اَثَرٌ مُتّصِلٌ یجبُ المَصِیْرالَیْهِ.** (زاد المعاد جلد اول صفحہ۱۹ مطبوعہ نظامی کانپور) کہ

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام 33 سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ تو اس کے لئے کوئی ایسی متصل روایت نہیں پائی جاتی۔ جس سے اس کی تصدیق ہو سکے۔ اور اس کی طرف رجوع کیا جائے اور صاحب فتح البیان نے اسے ذکر کر کے لکھا ہے:

" وَقَالَ الشَّامِیُ وَھُوَ کَمَاقَالَ فَاِنَّ ذالِکَ انَّمَا یُروی عن النَّصَاریٰ وَالْمُصَرّحُ بِہٖ فِی الْاَحَادِیْثِ النبویة اَنَّہٗ رُفِعَ وَھُوَ ابْنُ مِائَة وَعِشْرِیْنَ سَنَةً"

(فتح البیان جلد۲صفحہ۴۹)

شامی نے کہا ہے کہ امام ابن قیم کی بات درست ہے کیونکہ یہ بیان عیسائیوں کا ہے اور احادیث نبویہ میں تصریح سے آیا ہے کہ ان کا رفع اس وقت ہؤا جب کہ ان کی عمر 120 سال تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کی 120 سال عمر کا ذکر تو ہے لیکن رفع کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ الغرض مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور ان کے آسمان پر زندہ رہنے کا عقیدہ درحقیقت نومسلم عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں میں آیا ہے۔ اور ان احادیث سے جن میں نزول مسیح کا ذکر تھا اس خیال کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور یہ عقیدہ اتنا پھیلا کہ اس کے منکر کو کافر کا خطاب دیا جانے لگا۔ اور عیسائیوں نے اس عقیدہ کو حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت کی دلیل بنا کر مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کر دیا اور اس عقیدہ کی اس وسیع اشاعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے حق میں فرمائی تھی کہ وہ کسر صلیب کرے گا۔ یعنی وہ مسیح کی صلیبی موت کے عقیدہ کو جو عیسائی مذہب کی جان ہے۔ باطل ثابت کرے گا۔ اور اس کی طبعی وفات کو بدلائل قویہ ثابت کر کے ہمیشہ کے لئے عیسائیت کا خاتمہ کر دے گا۔ اور اس پیشگوئی کی عظمت جبھی ثابت ہو سکتی تھی کہ اس کی آمد کے وقت مسیح کی آسمان پر زندگی کا عقیدہ نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکا ہو۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ وہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔

اور دوسری صدی میں امام مالک نے (وفات ۱۷۹ھ) بھی وفات کا ہی اعلان کیا۔امام محمد طاہر لکھتے ہیں:۔

والاکثر ان عیسیٰ لم یمت وقال مالک مات

(مجمع البحار جلد ا صفحہ ۲۸۶)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔لیکن امام مالک نے فرمایا ہے۔کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

پس قرونِ اولیٰ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بجسد عنصری آسمان پر جانے کا عقیدہ نہیں پایا جاتا تھا۔۱۹۴۲ء میں مصر کے ایک بڑے عالم الشیخ محمود شلتوت نے بھی تفصیلی بحث کر کے لکھا ہے۔

انه لیس فی القراٰن ولافی السنة المطهرة مستند یصلح لتکوین عقیدة یطمئن الیهاالقلب بان عیسٰی رفع بجسمهٖ الی السماء وانه هوالی الان فیها وانه سینزل منهافی اٰخر الزمان الیٰ الارض

(الرسالۃ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء القاہرہ صفحہ ۵۱۷)

ترجمہ: قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں کوئی ایسی سند نہیں ہے۔جس سے اس عقیدہ پر دل مطمئن ہو سکے۔کہ حضرت عیسیٰ اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔اور اب تک وہ آسمان پر زندہ ہیں۔اور یہ کہ وہی آخری زمانہ میں زمین پر آئیں گے۔

ج۔عدم رجوع موتےٰ

اس بات کے ثابت کر چکنے کے بعد کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔کہ وفات یافتہ دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔ یہ مضمون قرآن کریم کی بہت سی آیات میں پایا جاتا ہے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیف تکفرون باللّٰہوکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون (البقرہ رکوع ۳) تم اللہ تعالیٰ کا کیونکر انکار کرتے ہو۔حالانکہ تم کچھ نہیں تھے۔تو اس نے تمہیں زندہ کیا۔پھر تمہیں مارے گا۔پھر تمہیں زندہ

کرے گا۔ پھرتم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی کے بعد کی موت کے سوااور کوئی موت نہیں رکھی۔ بلکہ فرمایا ہے کہ اس موت کے بعد جوتمہیں زندگی ملے گی وہ دائمی ہوگی۔

(۲) ثم انکم بعد ذالك لمیتون ثم انکم یوم القیامة تبعثون (مومنوں رکوع۱) کہ تم دنیا میں زندہ ہونے کے بعد مرنے والے ہو پھرتم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس آیت میں بھی یہی فرمایا ہے کہ موت کے بعد جواس دنیا میں ہر شخص کو آتی ہے۔ پھر قیامت کے دن ہی اٹھیں گے۔ اس دنیا میں کوئی نہیں آئے گا۔

(۳) اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل المسمیٰ (الزمر رکوع ۵) اللہ تعالیٰ ارواح کو قبض کرتا ہے ان کے مرنے کے بعداور جو نہ مریں ان کی سونے کے وقت (یعنی ناقص طور پر قبض روح نیند کے وقت ہوتا ہے اور کامل طور پر موت کے وقت چنانچہ فرمایا جس پر موت کا فیصلہ کرنا ہو اس روح کو روک لیتا ہے۔ اور دوسری کو ایک مقررہ اجل تک کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔

اس آیت میں صریح طور پر فرمایا کہ جو مرجاتا ہے اس کی روح واپس نہیں بھیجی جاتی۔

(۴) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جابر کے والد حضرت عبد اللہ جنگ احد میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے اولاد اور بہت سا قرضہ چھوڑا۔ حضرت جابرؓ اس حادثہ سے پریشان تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری دی۔ کہ ان کے والد سے اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ کلام کیا۔ اور کہا کہ اے میرے بندے: تمن علی اعطک کہ مجھ سے مانگ جو چاہتا ہے۔ میں تجھے دوں گا۔ عبداللہ نے کہا کہ اے خدا مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دے۔ تا میں پھر تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میں پہلے وعدہ کر چکا ہوں۔ کہ جو وفات پا جائیں گے۔ وہ پھر دنیا میں واپس نہیں جائیں گے۔

(مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

الغرض امت محمدیہ کوایک مسیح کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔مگر وہ موعود مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوسکتے۔کیونکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔اور وفات یافتہ واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے جو آنے والا ہے وہ لامحالہ ان کا مثیل ہوگا۔اور اسے مسیح ابن مریم کا نام بوجہ مشابہت دیا گیا ہے۔اور **اطلاق اسم الشی علیٰ ما یشا بهه فی اکثر خواصہٖ وصفاتہٖ جائزٌ حسنٌ**۔ایک چیز کے نام کا اطلاق دوسری چیز پر بھی جو اس کے اکثر خواص وصفات میں مشابہ ہو جائز اور مستحسن ہے۔

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی جلد۲صفحہ۶۸۹)

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان نے کہا:۔

''**لَقَدْ اَمِرُ اُمْرُ ابْنُ ابیٰ کبشَة**''(تجرید بخاری جلد۱صفحہ۱۲،۱۳)

ابن ابی کبشہ بنی خزیمہ سے تھا اور خدا کو ایک مانتا تھا۔اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ ایک خدا کی طرف دعوت دیتے تھے اس لئے اس مماثلت کی وجہ سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا گیا۔حالانکہ آپ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ تھا۔ابوکبشہ نہ تھا۔اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند نے اپنے مرید شیخ یعقوب کرخی کو زید بن حارثہ اس مماثلت کی وجہ سے کہا کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو اپنا بیٹا کہا تھا۔اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند بھی اپنے مرید مذکور کو اپنا بیٹا کہتے تھے۔

(ملاحظہ ہو رسالہ انسیہ مصنفہ شیخ یعقوب کرخی صفحہ۷ مطبوعہ مطبع محبوب المطابع میرٹھ)

اسی طرح مولانا روم اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

'' عیسیم لیکن ہر آں کو یافت جان
ازدم من او بماند جاودان
شدز عیسےٰ زندہ لیکن بازمرد
شاداں کو جاں بدیں عیسےٰ سپرد''

(مثنوی دفتر چہارم صفحہ۸۸)

ان شعروں میں مولانا روم نے اپنے آپ کو عیسےٰ کہا ہے۔

لفظ نزول کے معنٰی

احادیث میں مسیح موعودؑ کے لئے جو لفظ نزول کا آیا ہے اس سے مراد محض مبعوث ہونا ہے۔ آسمان سے اترنا مراد نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ نزول (قَدْ اَنْزَلَ اللهُ اِلَيْكُمْ ذِكْراً رَسُوْلاً ۔سورہ طلاق رکوع ۲) بمعنے بعثت استعمال ہوا ہے۔ اور سورہ حدید رکوع ۳ میں لوہے کے لئے (اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ) اور سورہ زمر ع۱ میں جانوروں کے لئے (اَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَ نْعَامِ ثَمَانِيَةَ اَزْوَاج) بمعنیٰ پیدائش استعمال ہوا ہے اور مسیح موعود کے لئے بعض احادیث میں نزول کی بجائے يُبْعَثُ (صحیح مسلم) کہ اللہ تعالیٰ بھیجے گا استعمال ہوا ہے۔ پس لفظ نزول کا آسمان سے اترنے کو مستلزم نہیں ہے۔

(د) اختلاف حلیتین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ مسیحؑ کا اور حلیہ اور آنے والے مسیح کا اور حلیہ بیان فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب وَاذْكُرْنِى الْكِتَابَ مَرْيَمَ کے ذیل میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کی ہے۔ (۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اسراء کی رات حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور آپ نے ان کی یہ صفت بیان فرمائی رَبْعَةٌ اَحْمَرُ كَانَمَا خَرجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِى الحمَّام'' کہ وہ درمیانہ قد۔ سُرخ رنگ نہایت حسین تھے۔ گویا وہ حمام سے نکلے ہیں۔

(۲) پھر اس کے بعد امام بخاری نے ایک اور حدیث حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" رَأَيْتُ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَابْرَاهِيمَ فَاَمَّاعِيسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ "

کہ میں نے موسیٰ اور عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سرخ رنگ گھنگھر والے بال اور چوڑے سینے والے تھے۔

(تجرید بخاری مترجم اردو صفحہ ۶۳۲ محمد دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور)

اس سے ظاہر ہے کہ معراج کی رات میں آپ نے حضرت عیسٰے کو جو بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے ساتھ دیکھا اور ان کو سرخ رنگ میانہ قد اور گھنگھر والے بالوں والا پایا۔ اس جگہ امام بخاریؒ نے دو مختلف راویوں سے یہ حدیثیں بیان کی ہیں تا کہ اس امر میں کہ حضرت عیسٰے کا حلیہ کیا تھا کوئی شک باقی نہ رہے۔

دو اور حدیثیں

اس کے بعد امام بخاری نے دو حدیثیں اور بیان کی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک رویاء کا ذکر ہے۔ جس میں آپ نے مستقبل میں ظاہر ہونے والے دجال کو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے دیکھا۔ اور اس کے پیچھے یا آگے (یہاں وراء کا لفظ ہے۔ جس کے دونوں معنے ہوتے ہیں ناقل) مسیح ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے پایا۔

اس حدیث کو بھی امام بخاری نے دو مختلف راویوں کے واسطہ سے ذکر کیا ہے۔ اس میں سے پہلی روایت نافع نے عبداللہ بن عمرو سے اور دوسری سالم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔

اور ان دونوں روائتوں میں آنے والے مسیح ابن مریم کا جسے آپ نے دجال معہود کے پیچھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا یہ حلیہ بتایا ہے۔

فَاِذَارَجُلٌ آدَمُ کَاَحْسَنِ مَایُریٰ مِنْ اٰدمِ الرِجَال تَضْرِبُ لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ رحلَ الشعرُ.

کیا دیکھتا ہوں ایک مرد جس کا رنگ گندمی ہے۔ گندم گوں مردوں میں سے ہے۔ بہت ہی خوبصورت ہے اور اس کے بال اس کے کندھوں پر لٹکے ہوئے ہیں۔ سیدھے بالوں والا ہے۔

سالم کی روایت میں ہے:۔

"فَاِذارَجُلٌ اٰدَمُ سَبِطُ الشَّعْر"

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد جس کا رنگ گندم گوں ہے اور بال بالکل سیدھے۔ پھر اس کے ساتھ ہی سالم کی روایت میں دجال کا حلیہ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُ الرأسِ بتایا گیا

ہے کہ وہ سُرخ رنگ جسیم اور گھنگھر والے بالوں والا ہوگا (جس کے معنی ہیں وہ سُرخ رنگ والا مسیحی قوم سے ہوگا''

(بخاری جلد اول صفحہ ۴۸۹ مطبع اصح المطابع دہلی)

پس امام بخاریؒ نے یہ التزام فرمایا ہے کہ جہاں حضرت عیسٰےؑ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسٰیؑ کے ساتھ کیا ہے وہاں تو ان کو سرخ رنگ بتایا ہے اور جہاں آنے والے دجال کے ساتھ طواف کرتے دیکھا ہے وہاں گندم گوں بیان کیا ہے۔ اور کتاب اللباس میں آنے والا مسیح کا حلیہ گندم گوں ہی لکھا ہے۔ اس حلیہ کے اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مسیح جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے باقی وفات شدہ انبیاء کے ساتھ معراج کی رات دیکھا وہ اور ہیں اور آنے والا مسیح اور ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ نے آنے والے مسیح کے متعلق روایت اپنی مسند میں بیان کی ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کو امام مہدی قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری اور مسلم نے آنے والے مسیح کے متعلق جو حدیث لکھی ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امامکُم منکُم اور فامکم منکم کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔

جن سے نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر ہے کہ اس آنے والے کو ابن مریم یا مسیح ابن مریم یا عیسٰے ابن مریم فرمانا بطور استعارہ ہے نہ بلحاظ حقیقت اور حدیث کے الفاظ امامکم منکم جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمائے تھے اور جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ابن مریم تمہارا ایک امام ہوگا۔ جو تمہیں میں سے ہوگا اس امر کو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن کر دیتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس ابن مریم کے آنے کی خبر دی ہے۔ وہ مسیح ناصری علیہ السلام ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ابن مریم امت محمدیہ میں پیدا ہونے والا اور اس کا ایک امام ہوگا۔ اور امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا بھی متقاضی تھا کہ آنے والا مسیح امت محمدیہ میں سے ہی آئے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہے۔ کیونکہ اسرائیلی مسیح کے آنے سے تو یہ ظاہر ہے کہ جب اس امت کو اپنی اصلاح اور اشاعت دین کے لئے ایک مسیح کی ضرورت پڑتی ہے تو روحانی مراتب کی محرومیت کی وجہ سے اس امت کا کوئی فرد مسیحیت کا مقام حاصل نہ کر سکا۔ اور اسرائیلی مسیح اس کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ اور یہ

امر کہ بلحاظ کردار یہود تو اس امت میں سے بہت سے بن جائیں۔ اور مسیح کا مقام ایک بھی حاصل نہ کر سکے۔ امت محمدیہؐ کے لئے بھی ایک بہت ہی بدنما داغ ہوتا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم کے بھی سراسر خلاف کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہؐ کو خیر الامت کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ کوئی روحانی کمال خواہ کتنا ہی بڑا ہو ایسا نہیں جو آپؐ کی پیروی کی برکت سے نہ مل سکے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بھی تحریک احمدیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''جہاں تک میں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا۔ کسی حد تک معقولیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔''

(آزاد ۲۱-اپریل ۱۹۵۰ء)

(و) نیا گروہ

آج کل ایک چوتھا گروہ بھی پیدا ہوگیا ہے جس کا یہ خیال ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ ایک وہم ہے۔ درحقیقت کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ اس خیال کی بڑی وجہ مایوسی ہے۔ جب ایسے لوگوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ہے مگر ان کی خواہش کے مطابق کوئی مسیح نہیں آیا۔ تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسیح کی آمد ثانی کا خیال ہی غلط ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے اپنے طریق کے مطابق اور حدیث نے اپنے اسلوب کے مطابق نہایت واضح طور پر اس امت میں سے ایک مسیح کے آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ تمام محدثین اور امت محمدیہ نسلاً بعد نسل مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ رکھتی چلی آئی ہے۔ اختلاف اگر ہؤا ہے تو وہ مسیح موعود کے ظہور کے طریق میں ہؤا ہے۔ جس کے متعلق ہم اوپر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اور سید سلیمان ندوی

ڈاکٹر اقبال کے اس سوال کا جواب کہ ''کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو حیات ونزول مسیح ابن مریم کے منکر ہوں اگر حیات کے قائل ہوں اور نزول کے منکر ہوں۔معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟

سید سلیمان ندوی نے یہ جواب دیا کہ:۔

''مجھے جہاں تک علم ہے نزول مسیح کا انکار کسی نے نہیں کیا۔معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتیں جو حال معلوم ہو۔ البتہ ابن حزم وفات مسیح کے قائل تھے۔ساتھ ہی نزول کے بھی۔''

(اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال حصہ اول حاشیہ صفحہ ۱۹۶ مرتبہ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے)

ہم معتزلہ کے اس مذہب کا اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ مسیح کے علاوہ کوئی اور مہدی نہیں۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی نزول مسیح کے قائل تھے۔

اندریں حالات جبکہ امت محمدیہ قرن اول سے لے کر آج تک نزول مسیح کی قائل رہی ہے۔تو کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ مسیح موعود کا عقیدہ مجوسیت یا یہودیت سے مستعار لیا گیا ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

ایلیاء نبی کی آمد ثانی

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امت محمدیہؐ کو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلنا تھا اور انہی حالات میں سے گزرنا تھا جن میں سے بنی اسرائیل گزرے تھے۔اور ایسا ہی ہؤا۔اور بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ امت اسرائیلیہ میں بھی ہو چکا ہے۔انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنے سے پیشتر ایلیاء نبی آسمان سے نازل ہوں گے۔ چنانچہ بائیبل کی کتاب سلاطین باب ۲ میں لکھا ہے کہ ایلیاء آسمان پر اٹھایا گیا۔ ملاکی نبی کی کتاب باب ۴ آیت ۵ میں لکھا ہے:۔

''دیکھو خدا اوران کے بزرگ ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاء نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔''

اسی بناء پر یہودی ایلیاء کے آسمان سے اترنے کا انتظار کرتے رہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود بنا کر بھیج دیئے گئے۔ اور جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو یہود نے تکذیب کی۔ اور کہا کہ آپ مسیح موعود نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ سچے مسیح سے پہلے تو ایلیاء کا آسمان سے اترنا ضروری ہے۔

چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ

''اس کے (یعنی مسیح کے) شاگردوں نے اس سے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آئے گا اور سب چیزوں کا بندوبست کرے گا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ اور جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔''

(انجیل متی ۱۱/۱۷)

اس سے ظاہر ہے کہ ایلیاء کے آسمان سے آنے کی پیشگوئی ایسی مسلّم اور اتنی مشہور و مقبول تھی کہ مسیح علیہ السلام نے بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی صحت کا اقرار کر کے اس کی حقیقت یہ ظاہر کی کہ ایلیاء کی آمد سے یوحنّا کی آمد مراد تھی۔ چنانچہ یحیٰی یعنی یوحنّا کی نسبت فرمایا کہ:۔

''سب نبیوں اور توریت نے یوحنّا کے وقت تک آگے کی خبر دی۔ اور الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو جس کے کان سننے کے ہوں سُنے۔''

(متی باب ۱۱ آیت ۱۴/۱۳)

پس حضرت عیسٰے علیہ السلام نے خود فیصلہ کر دیا کہ کسی شخص کی دوبارہ آمد سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ شخص بذات خود آئے گا بلکہ اس سے مراد کسی اور شخص کا ظہور ہوتا ہے جو اپنی روحانیت اور مقام و مرتبہ اور شرف وفضیلت میں اس شخص سے مشابہت رکھتا ہو۔ جس کے

دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہو۔ اگرچہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ اور ایلیاء یعنی الیاس کے آسمان سے آنے کی پیشگوئی کا صحیح مطلب اور اس کی حقیقت وہی تھی جو حضرت مسیح علیہ السلام نے ظاہر فرمائی تھی۔ لیکن یہود نے حضرت مسیح کے اس اظہار حقیقت کو کہ ایلیاء کے آسمان سے نازل ہونے کی پیشگوئی یوحنّا یعنی یحیٰ کی آمد سے پوری ہوگئی ہے قبول نہ کی اور اسی غلط خیال پر اڑے رہے کہ جب تک ایلیاء نبی بذات خود آسمان سے نازل نہ ہولے سچا مسیح آ ہی نہیں سکتا اور اسی وجہ سے ان کو نہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کا بلکہ افضل الانبیاء وخاتم الانبیاء حضرت محمد مجتبیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کردینا پڑا اور یہی غلطی امت محمدیہؐ کے ایک گروہ کو لگی۔ جنہوں نے حضرت عیسٰیؑ کے اپنے فیصلہ کے خلاف ان کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ وہ خود بذاتہٖ آسمان سے نازل ہوں گے۔ حالانکہ ان کے آنے سے مراد بھی ایسے شخص کا ظہور تھا جو ان سے ہر رنگ میں مشابہت رکھتا ہو جسے پیشگوئی میں اسی طرح مسیح ابن مریم کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو پیشگوئیوں میں الیاس کا نام دیا گیا تھا۔ مگر یہود نے حضرت یحیٰ کو الیاس نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آسمان سے کوئی الیاس نہ اترا۔ آخر ان کے دل مایوسی سے بھر گئے۔ اس طرح وہ ایک نبی مثیل موسٰے کے منتظر تھے۔ مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوئے اور یہود نے دیکھا کہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں آئے انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ پیشگوئی مندرجہ استثناء باب ۱۸ کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ بنی اسرائیل سے ظاہر ہوں گے۔ اور آپؐ چونکہ بنی اسمٰعیل میں سے ہیں اس لئے آپ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہوسکتے۔ لیکن حقیقت میں آپؐ ہی اس پیشگوئی کے مصداق تھے۔ مگر یہود نے آپ کا انکار کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کو پھر کوئی اور نبی مثیل موسیٰ نہ ملا۔

اس طرح ساٹھ سال ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔ اور اس نے پیشگوئی کی حقیقت بھی واضح کردی۔ اس سچے مسیح کے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ان کے دل میں مایوسی پیدا ہو اور سرے سے اس کی آمد کا انکار کردیں۔

مسیح موعود کی آمد کا انکار کرنے والے اس امر کا انکار نہیں کرسکتے۔ کہ اس زمانہ میں جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہر طرف گمراہی پھیل چکی ہے اور

مسلمانوں کی حالت کا نقشہ ڈاکٹر اقبال نے یوں کھینچا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

(بانگِ دراصفحہ ۲۲۵)

اور فرماتے ہیں:۔

'' ہاتھ بے زور ہیں الحاد ہے خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائِ پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں
رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے ''

(بانگ دراصفحہ ۲۲۵-۲۲۶)

پھر ضربِ کلیم میں لکھتے ہیں:۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لاالٰہَ الااللہ

الغرض اور قوموں سے قطع نظر خود مسلمانِ حقیقت اسلام سے ناآشنا اور ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن برائیوں میں ان کے مبتلا ہو جانے کی پیشگوئیاں کی تھیں وہ پوری ہوگئیں۔ دوسری طرف آپؐ نے ہی یہ پیشگوئی بھی فرمائی تھی کہ اسلام کی اشاعت اور دین اسلام کا تمام مذاہب پر دلائل کی رو سے غلبہ ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو بھیجے گا۔ اس پیشگوئی کا انکار کرنا مستلزم ہے اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ اس نے برائیاں تو پیدا ہونے دیں۔ لیکن اصلاح کے لئے کوئی سامان نہ کیا۔ مرض پیدا ہونے دیئے لیکن ان کے علاج کے لئے کوئی صورت پیدا نہ

کی۔ خدا تعالیٰ پر یہ بدظنی درست نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بیماریاں تو پیدا ہونے دے۔ لیکن ان کے علاج کے لئے دوا پیدا نہ فرمائے۔ وہ پیاس تو لگائے مگر اس کو بجھانے کے لئے اور اس کو دور کرنے کے لئے خوشگوار نہر جاری نہ کرے۔

پس خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا تقاضا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کی پکار کو سنتا اور ان کی فریاد کو پہنچتا۔ اور ان کی اصلاح کے لئے اور دینی لحاظ سے ان کا تمام دنیا میں قدم مضبوط کرنے کے لئے اس مسیح کو بھیجتا۔ جس کا وعدہ اس نے قرآن مجید اور اپنے رسول کی زبان پر کیا تھا۔ ساٹھ برس کا عرصہ گزر چکا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کے مطابق مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔ جس نے پچاس سال پہلے یہ اعلان کر دیا تھا کہ:۔

> ''مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں۔ وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی۔ وہ بھی مرے گی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا۔ کہ زمانہ صلیب کا بھی گزر گیا۔ اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی۔ کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نو امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور وہ بڑھے گا۔ اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔''

(تزکرۃ الشہادتین صفحہ ۹۵)

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے دوسرے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے اس سوال کا کہ ’’کیا پہلے مسیح ہی نازل ہوں گے؟‘‘ یہ جواب دیا ہے:۔

’’جو کچھ احادیث سے ثابت ہے اور جس پر امت کا اجماع ہے وہ کسی مثیل مسیح کی پیدائش نہیں ہے بلکہ عیسےٰ ابن مریم کا نزول ہے۔ تمام احادیث بلا استثناء اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ آنے والے وہی ہیں کسی حدیث میں عیسیٰ کسی میں بن مریم اور کسی میں عیسیٰ ابن مریم کے الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ عیسٰی بن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اور اس کے نزول کی خبر لامحالہ اس کی ذات کے نزول کی خبر ہی ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی اس خبر کو قبول کرے تو اسے یہ قبول کرنا ہوگا کہ وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا جواب سے دوہزار برس پہلے بنی اسرائیل میں مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اسے رد کرے تو اُسے سرے سے اس ’’مسیح موعود‘‘ کے تخیل ہی کو رد کردینا ہوگا۔‘‘

(دس نکات کا جواب صفحہ۲)

مولانا مودودی صاحب کے اس جواب سے مندرجہ ذیل بدیہی نتائج نکلتے ہیں۔

اوّل:۔ امت کا اجماع عیسےٰ ابن مریم کے نزول پر ہے اس سے کسی مثیل مسیح کی پیدائش مراد نہیں ہے۔

دوم:۔ عیسےٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے۔ اس کے نزول کی خبر سے مراد اس کی ذات کے نزول کی ہی خبر ہوسکتی ہے جو دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا۔

سوم:۔ اگر کوئی اس خاص شخص کے نزول کی خبر کو رد کردے تو اسے سرے سے اس ’’

مسیح موعودؑ‘‘ کے تخیل کو رد کرنا ہوگا۔

(ا)اجماع کی حقیقت

مولانا مودودی صاحب کا یہ ادعاء کہ امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ کوئی مثیل مسیح نہیں بلکہ خاص حضرت عیسےٰ بن مریم آئیں گے جو آج سے دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّل:۔ ہم دوسرے سوال کے جواب کے آغاز میں امام سراج الدین ابن الوردی (وفات ۷۴۹ھ) کی کتاب خریدۃ العجائب کے حوالہ سے بتا چکے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول کے متعلق امت میں تین قسم کے خیالات کے لوگ پائے گئے ہیں۔ان میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ مسیح ابن مریم کے نزول کی خبر سے مراد امت محمدیہ سے ایک مثیل مسیح کا ظہور ہے جو پہلے مسیح کا مشابہ اور اس کا ہم صفات ہوگا۔

امام ابن الوردی کی یہ تصریح مولانا مودودی کے ادعائے اجماع امت کو باطل ثابت کرتی ہے۔

دوم:۔ دوسرے اس لئے کہ نزول مسیح کی خبر ایک پیشگوئی ہے اور جو باتیں مستقبل کے متعلق ہوں ان کے متعلق اجماع نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ محبّ اللہ بن عبدالشکور اپنی کتاب مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں۔

”اما فی المستقبلات کاشراط الساعۃ وامورالأخرۃفلا (ای الاجماع) عندالحنفیۃ لان الغیب لامدخل فیہ الاجتھاد“

(مسلم الثبوت مع شرح صفحہ ۲۴۶)

یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کہ اشراط الساعۃ اور امور آخرت میں ان میں حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہے۔ کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد اور رائے کو کوئی دخل نہیں۔

اور مسیح کا آنا علامات ساعت میں سے ہے جیسا کہ آیت **وانہ لعلم للساعۃ** کے ماتحت مفسرین نے بہت سی روایات اس کی تائید میں نقل کی ہیں (نیز دیکھو دس نکات کا

جواب محررہ مولانا مودودی صاحب ضمیمہ نمبر ا روایت ۱۱) اور مولانا صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ:۔

''درحقیقت وہ (مسیح ابن مریم ناقل) قیامت کی ایک نشانی ہے۔''

(دس نکات کا جواب نمبر ا)

پس نزول مسیح کی خبر کے متعلق جو ایک پیشگوئی ہے اور مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اجماع کا ادعاء درست نہیں۔

عیسےٰ ابن مریم

(۲) دوسرا دعویٰ مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے۔ کہ چونکہ احادیث میں آنے والے کا نام کسی حدیث میں عیسٰی کسی میں ابن مریم اور کسی میں عیسےٰ ابن مریم آیا ہے اور عیسیٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے۔ اس لئے اس کے نزول کی خبر سے مراد اس شخص کا بعینہٖ آنا مراد ہوسکتا ہے۔ اس کے مثیل کا آنا مراد نہیں ہوسکتا۔

جناب مولانا کا یہ دعویٰ بھی مندرجہ ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

اوّل:۔ اس لئے کہ نزول مسیح کی خبر ایک پیشگوئی ہے اور پیشگوئیوں میں استعارہ اور مجاز بکثرت پائے جاتے ہیں اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ پیشگوئی میں ایک خاص شخص کا نام ہوتا ہے لیکن وقوع کے لحاظ سے وہ معین شخص مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا مثیل مراد ہوتا ہے۔ اس کی ایک روشن اور واضح مثال وہ ہے جو ہم اصل سوال کے جواب کی شق (د) کے ماتحت زیر عنوان ''ایلیاء کی آمد ثانی'' تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ بائیبل کی کتاب ۲ سلاطین ۱۱/۲ میں ایلیاء نبی کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔ اور ملاکی نبی کی کتاب میں ان کا نام لے کر ان کی آمد ثانی کی خبر دی گئی تھی۔ اور تمام بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ ایلیاء نبی آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور ایلیاء کے نزول کی خبر یہودیوں میں اتنی شائع اور متعارف تھی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور یہود نے ان سے کہا کہ اگر آپ واقعی مسیح ہیں تو ایلیاء کہاں ہے؟ جس کا ظہور مسیح سے پہلے آسمان سے نازل ہونا ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایلیاء (الیاسؑ) کے نزول

کی خبر کا انکار نہ کیا بلکہ اسے صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ایلیاء کے آنے سے مراد ان کے مثیل کا ظہور ہے۔ خود ایلیاء نبی کا جو پہلے ہو چکے ہیں بذاتہٖ آنا مراد نہیں۔ لیکن یہود اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اور انہوں نے مولانا مودودی والی دلیل پیش کی۔

کہ ایلیاء یعنی الیاس ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اور اس کے نزول کی خبر لامحالہ اس کی ذات سے نزول کی خبر ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی اس خبر کو قبول کرے تو اسے یہ قبول کرنا ہوگا کہ وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا جو آج سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ظاہر ہوا تھا۔ اور آخر کار آسمان پر چلا گیا تھا اور اگر کوئی شخص اسے رد کرتا ہے تو اسے سرے سے ''ایلیاء کے نزول'' کے تخیل کو ہی رد کر دینا ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دلیل کا یہودیوں کو یہ جواب دیا کہ یہ خبر تو درست ہے کہ ایلیاء دوبارہ آئے گا۔ مگر اس کی دوبارہ آمد سے مراد اس کے مثیل کا ظہور ہے جو ''یوحنّا'' یعنی حضرت یحیٰی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

> ''الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔''
>
> (انجیل متی ۱۱/ ۱۷)

پس مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ نظریہ کا ہماری طرف سے بھی وہی جواب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو جو حضرت الیاس کی آمد ثانی کے قائل تھے دیا تھا۔ اور یہی عقیدہ جیسا کہ امام سراج الدین ابن الوردی نے خریدۃ العجائب میں لکھا ہے ہمیشہ امت محمدیہؐ کے ایک گروہ کا رہا ہے اور اس گروہ کی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ امام ابن الوردی نے باوجود یہ کہ ان کا اپنا عقیدہ اس گروہ کے عقیدہ کے مخالف تھا۔ تاریخی لحاظ سے اس گروہ کا ذکر ضروری سمجھا۔

دوم۔ مشابہت کی وجہ سے ایک چیز کا نام دوسری چیز کو دے دیا جاتا ہے۔

مولانا مودودی صاحب کی بنائے استدلال یہ ہے کہ چونکہ عیسٰیؑ اور ابن مریم اور

عیسٰے ابن مریم ایک خاص شخص کا نام لے کر خبر دی گئی ہے اس لئے اس سے اس کا مثیل مراد لینا درست نہیں۔ مولانا مودودی صاحب اس سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ صریح مشابہت کی وجہ سے مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دے دینا کلام کی خوبی شمار کیا جاتا ہے۔ اور عربی زبان میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ فن بلاغت کے امام عبد القاہر جرجانی نے اپنی کتاب اسرار البلاغہ میں جابجا اس امر کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح فنِ بلاغت کی دوسری مشہور کتب تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی اور مفتاح العلوم للشکا کی وغیرہ میں بھی بالتصریح مذکور ہے۔

کہ جب دو چیزوں میں کامل تشابہ ثابت کرنا مقصود ہو اور ان میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا ہو تو حرف تشبیہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے " هُو هُو "کہ وہ بالکل وہی ہے۔ اسی طرح شیر کی شجاعت کو مدنظر رکھنے والا شخص جو کسی شخص میں کمال شجاعت ثابت کرنا چاہے اس خیال سے کہ اس کے نزدیک شیر کی شجاعت میں اور اس شخص کی شجاعت میں کچھ فرق نہیں تو اس کا یہ کہنا درست ہوگا رأیت اسدا کہ میں نے شیر دیکھا اور مراد بہادر شخص ہوتا ہے۔ اور ایک نہایت اچھا فصیح و بلیغ کلام کرنے والے کے متعلق کہا جاتا ہے " انماینظم درا" کہ وہ تو موتی پرو رہا ہے۔

اسی طرح امام فخر الدین الرازی نے لکھا ہے۔

"اطلاق اسم الشئی علی مایشا بهه فی اکثرخواصه وصفاته جائز حسن "

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۶۸۹)

یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کی اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

اس کی چند مثالیں تو ہم اصل جواب میں لکھ چکے ہیں اور چند یہاں بھی درج کرتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام "ذکر"

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت **قد انزل الله الیکم ذکرا رسولا** میں ذکر قرار دیا گیا ہے۔

علامہ محمد اسمٰعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ:

آیت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ''ذکر'' سے جو قرآن مجید میں ہے شدت ملابست کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

''فاطلق علیه اسم المشبه به استعارة تصریحیة''

پس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم (مشبّہ) کو ''ذکر'' (مشبہ بہ) کا نام استعارہ تصریحیہ کے طور پر دیا گیا۔

(۲) علامہ عبید اللہ بن مسعود الحنفی (وفات ۷۴۷ھ) اپنی کتاب التوضیح میں لکھتے ہیں:۔

'' کاستعارة اسم ابی حنیفة رحمہُ اللہ تعالٰی کرجل عالم فقیه متق

(التوضیح صفحہ۱۸۴)

کہ ایک عالم فقیہ متقی شخص کو استعارہ کے طور پر ابوحنیفہ کہا جاتا ہے

(۳) عالمہ زمخشری آیت ھذا الذی رزقنامن قبل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رزق اس رزق کی مانند ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور اس کی دلیل لو اُوتوا به متشابھا ہے۔

''وھذا کقولک ابو یوسف ابوحنیفه ترید انه لاستحکام الشبه کأن ذاته ذاته''

(تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۲۰۲)

اور یہ تیرے اس قول کی مانند ہے کہ ابو یوسف ابوحنیفہ ہیں۔ اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان مستحکم مشابہت کی وجہ سے گویا ابو یوسف کی ذات ابوحنیفہ کی ذات ہے اور اس لئے ابو یوسف کہنے کی بجائے ابوحنیفہ کہہ کر مراد ابو یوسف لیا جاتا ہے۔

(۴) اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان ازواج مطہرات کو جو آپ کی اس رائے کی کہ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھائیں تعمیل نہیں چاہتی تھیں صواحب یوسف قرار دیا۔ فرمایا۔ '' انکن لانتن صواحب یوسف'' (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

اس کا ترجمہ بخاری مترجم اردو میں لکھا ہے۔

''چنانچہ حفصہ نے عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو
بے شک یقیناً تم لوگ یوسف کی ہمنشین عورتیں ہو۔''

(تجرید جلد ا صفحہ ۹۷)

(۵) اس کی مثالیں ہر زبان میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے یہود کی عداوت کے پیش نظر ان کا نام سانپ اور سانپوں کے بچے رکھا (متی ۲۳/۲۲)
اور دوسری قوموں کے متعلق کہا:۔

''پاک چیزیں کتوں کو نہ دو اور موتی موروں کے آگے نہ ڈالو۔''

(متی ۶/۷)

(۶) قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق عورتوں کا یہ قول مذکور ہے
''ان ھٰذا الا ملک کریم'' کہ یوسف تو بس فرشتہ ہی ہے۔

جب ہر زبان میں یہ استعمال پایا جاتا ہے کہ دو ایسی چیزوں میں سے جو آپس میں کمال مشابہت رکھتی ہوں ایک کا نام دوسری کو دے دیتے ہیں۔ تو اگر اللہ تعالیٰ نے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا نام حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے شدت مشابہت کی وجہ سے ابن مریم یا مسیح بن مریم یا عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا تو اعتراض کی بات کیا ہے؟ اگر ایک عالم فقیہ متقی کو ابوحنیفہ کہہ کر پکار سکتے ہیں اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو ابوحنیفہ کا نام دیا گیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر رکھا گیا۔ اور آپؐ کی ازواج کو صواحب یوسف فرمایا گیا ہے۔ اور ایک سخی کو حاتم کا نام دیا جا سکتا ہے اور حضرت یحیٰی کا نام الیاس ہوسکتا ہے تو آنے والے مسیح کو ابن مریم یا عیسیٰ بن مریم یا مسیح ابن مریم کیوں نہیں کہا جا سکتا۔

پس احادیث میں آنے والے مسیح کا نام ابن مریم وغیرہ یہ ظاہر کرنے کے لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں اور مسیح ناصری میں اس قدر شدید مشابہت ہوگی کہ گویا اس کی ذات مسیح ناصری ہی کی ذات ہے۔ اور یہ ایک ایسا شائع اور متعارف انداز بیان ہے جس پر حقیقتاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اور جس کی صحت سے انکار کی مطلق گنجائش نہیں۔

اسی مذکورہ مشابہت کے متعلق حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

''اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دوٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دوپھل ہیں اور بحدی اتحاد ہے کہ نظرِ کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے ۔ نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیحؑ ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰؑ کا تابع اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے۔؛ اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جوسید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔''

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ حصہ چہارم صفحہ۴۹۹)

(۳) مومنوں کی مثال حضرت مریم سے اور کامل مومن کا ابن مریم ہونا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ تحریم میں کافروں کی مثال حضرت نوحؑ وحضرت لوط کی بیوی سے اور مومنوں کی مثال فرعون کی بیوی (حضرت آسیہؓ) سے دیکر فرمایا ہے۔

''ومریم ابنة عمران اللتی احصنت فرجها ننفخنافیه من روحناوصدقت بکلمات ربها وکتبه وکانت من القانتین.''

(تحریم رکوع۲)

اور مومنوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے مریم سے بیان فرمائی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور وہ اپنے رب کے کلام اور کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہوئی اور وہ ہمارے فرمانبردار بندوں میں سے تھی۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال پہلے فرعون کی بی بی سے دی ہے اور پھر دوسری مثال مریم سے دی ہے۔ علامہ زمخشری اپنی مشہور تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''وقد قرن بینهاوبین مریم فی التمثیل للمؤمنین.''

یعنی یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تمثیل فرعون کی بی بی اور عمران کی بیٹی مریم سے دی ہے۔

اور علامہ بدرالدین العینی (متوفی ۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

" ومریم ابنة عمران التی عطف علی امرأة فرعون ای وضرب الله مثلاً للذین آمنوا مریم ابنة عمران الخ."

(عینی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴۱۳)

کہ مریم ابنۃ عمران معطوف ہے۔ امرأۃ فرعون پر اور معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال مریم بنت عمران سے دی ہے اور جو اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی عزت وکرامت بخشی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفخ روح کو حضرت مریمؑ پر سب سے بڑا انعام بتایا ہے۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دوقسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ مومن جو فرعون کی بیوی کے مشابہ ہیں اور دوسرے وہ جو حضرت مریمؑ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اس آیت کی رو سے جب ایک مومن فرعون کی بیوی کے ایمان کی حالت سے اوپر ترقی کرتا ہے اور مریمؑ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس وقت وہ حضرت مریم کا مشبہ اور مماثل بن جاتا ہے۔ پھر جس طرح حضرت مریمؑ کے اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں اور الائشوں سے منزہ ومحفوظ رکھنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان میں نفخ روح کیا جو ابن مریم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسی طرح جب ایک مومن مریمیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور حضرت مریم صدیقہ کے شمائل وخصائل اور عفت واحسان کو ظاہر کر کے روحانیت میں ترقی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھی نفخ روح ہوتا ہے۔ اس نفخ روح سے وہ مریمیت کے مقام سے گزر کر ابن مریم کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ابن مریم سے مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ پھر اس مشابہت تامہ کی وجہ سے جو اس کے اور ابن مریم کے درمیان پائی جاتی ہے ابن مریم کا نام پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں

پہلے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام مریم رکھا ہے۔ پھر اس کے بعد جب آپ نے روحانیت میں اور ترقی کی اور مریمیت کے مقام سے آگے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابن مریم اور عیسٰے کے نام سے مخاطب کیا۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ان مثیلوں میں سے جن کی مثال سورہ تحریم کی اس آیت میں حضرت مریم سے دی گئی ہے کامل و مکمل فرد کا نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان مسّ کرتا ہے۔ مگر مریم اور اس کے بیٹے عیسٰی کو مس نہیں کیا۔

اس حدیث کے متعلق علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مریم اور ابن مریم سے ہر وہ شخص مراد ہے جو عیسٰے اور مریم کی صفات سے متصف ہو۔

(کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

اسی طرح امام عبدالرؤف المنادی (۱۰۰۰ھ) اپنی کتاب التیسیر شرح جامع الصغیر میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"**والمرادهماومن فی معناهما.**" (التیسیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **الا مریم و ابنها عیسٰے** میں حضرت مریم اور حضرت عیسٰےؑ سے مراد سب لوگ بھی ہیں جو ان کے مثیل ہوں گویا اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام ان لوگوں کو جو حضرت مریم اور حضرت عیسٰے کے مقام پر فائز ہیں اور مریم اور ابن مریم کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مریم اور ابن مریم اور مسیح اور عیسٰے کا نام اپنے اندر وصفی خاصیت رکھتا ہے اور بزرگان امت محمدیہؐ نے بھی ان ناموں کو اپنی نسبت استعمال کیا ہے۔ مثلاً

(۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے الہام "یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ" کے متعلق جس میں آپ کو مریم کے نام سے خطاب کیا گیا تھا لکھتے ہیں:۔

"اس الہام میں لفظ مریم سے مؤلف مراد ہے جس کو ایک روحانی مناسبت

کے سبب مریم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وہ مناسبت یہ ہے کہ جیسے حضرت مریم علیہا السلام بلا شوہر حاملہ ہوئیں چنانچہ ظاہر قرآن کی دلالت ہے اور انجیل میں اس پر صاف تصریح ہے۔ ایسے ہی مؤلف براہین احمدیہ بلا تربیت وصحبت کسی پیر فقیر ولی مرشد کے ربوبیت غیبی سے تربیت پا کر مورد الہامات غیبیہ وعلوم لدنیہ ہوئے ہیں۔ اس تشبیہ کی ایک ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے۔

ضمیر م نہ زن بلکہ آتش زن است
کہ مریم صفت بکر آبستن است

اس صورت میں مریم کا خطاب بہ صیغہ تذکیر محل اعتراض نہیں۔

اور اس کے لئے زوج کا اثبات بھی مستبعد نہیں اور یہاں تو زوج سے مؤلف کے اتباع مراد ہیں۔''

(ریویو براہین احمدیہ صفحہ ۲۸۰ مندرجہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۹ جلد ۷)

(۲) مولانا رومؒ اپنے آپ کو عیسٰے قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

'' عیسیم لیکن ہر آں کو یافت جاں
از دم من او بماند جاوداں
شد ز عیسٰے زندہ لیکن باز مرد
شاد آں کو جاں بدیں عیسٰی سپرد''

(مثنوی دفتر چہارم صفحہ ۸۸ مطبوعہ کانپور)

(۳) حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ اپنے آپکو عیسٰے ثانی قرار دیتے ہیں:۔

'' دمبدم روح القدس اندر معینے میدمد
من نمیگو یم مگر من عیسٰی ثانی شدم''

(دیوان حضرت شیخ معین الدین چشتیؒ)

اور فن بلاغت کی کتب میں لکھا ہے کہ جب ایک علم اپنے اندر وصفی نوع رکھتا ہو تو اسے بطور استعارہ دوسرے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے سخی کو حاتم کہا جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو تلخیص المفتاح صفحہ ۶۰)

اور مسیح اور عیسٰے اور مریم اور ابن مریم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایسے ہی نام ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے مندرجہ ذیل شعروں میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

''کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے جس کی
مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا''

یعنی طبیب حاذق اور خوبصورت اور خوش شکل کو بھی تم مسیح کا نام دے دیتے ہو۔ تو پھر اس شخص کو مسیح ماننے میں کیوں شک کرتے ہو جس کی حضرت عیسٰے علیہ السلام سے مماثلت خود اللہ تعالیٰ نے بتا دی ہے۔

الغرض سورہ تحریم کی آخری آیات سے ثابت ہے کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہ پاکیزگی کے انتہائی مقام تک پہنچ کر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسٰے علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی طرح مرد مومن روحانی لحاظ سے پہلے مریمی حالت کو پہنچتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس میں نفخ روح کرتا ہے اور اس سے بکثرت ہمکلام ہوتا ہے۔ گویا وہ روحانی حمل کی حالت سے روحانی لحاظ سے ابن مریم کی ولادت کا باعث ہوتا ہے اور حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب کشتی نوح اور براہین احمدیہ حصّہ پنجم وغیرہ میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے جس پر مولانا مودودی صاحب نے بوجہ ناواقفیت تمسخرانہ لہجہ میں اعتراض کیا ہے۔ اگر قارئین کرام حضرت بانی جماعت احمدیہ کی اصل عبارتیں مع سیاق وسباق پڑھیں کے تو ان پر حقیقت کھل جائے گی۔

چہارم: مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ اس لئے بھی باطل ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنے والا ابن مریم امت محمدیہؐ کا ایک فرد ہوگا۔ نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ مثلاً

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے متعلق فرمایا:۔

وامامکم منکم یعنی ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ تم

میں سے تمہارا امام ہوگا۔ اسی طرح دوسری روایت و أمّکم منکم کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ وہ تمہاری امامت کرے گا۔ اس حال میں کہ وہ تم میں سے یعنی امت محمدیہؐ میں سے ہوگا۔

متقدمین نے بھی اس کو مسیح پر ہی چسپاں کیا ہے چنانچہ امام ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مرمشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

" **قال الطیبی رحمۃ اللہ فالضمیر فی أمّکم لعیسٰی ومنکم حال ای یُؤمکم عیسٰی حال کونہ من دینکم.**"

(مرقاۃ جلد۵صفحہ۲۲۲)

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُمّکم میں ضمیر عیسٰے کے لئے ہے۔

اور منکم حال ہے۔ یعنی عیسٰے تمہاری امامت کریں گے۔ اس حال میں کہ تمہارے دین پر ہوں گے۔

ان دونوں حدیثوں میں آنے والے ابن مریم کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا امام ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ انہیں میں سے ہوگا۔ یعنی امت محمدیہؐ میں سے۔ طیبی رحمہ اللہ کا حذف نکالنا درست نہیں بلکہ امامکم منکم اور أمّکم منکم سے مسلمانوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آنے والے مسیح کو ابن مریم تو کہا گیا ہے لیکن اے مسلمانو اس سے حضرت عیسٰے مراد نہ لے لینا بلکہ وہ آنے والا امّت محمدیہ کا ہی ایک فرد ہوگا جس کو ابن مریم کا نام دیا جائے گا۔

(۲) جیسا کہ ہم اصل سوال کے جواب میں لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح کے دو حلیے بیان فرمائے ہیں۔ وہ مسیح جو پہلے گزر چکے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراء کی رات کو دیکھا ان کا حلیہ اور بتایا ہے۔ اور آنے والے مسیح کا جسے دجال کے آگے یا پیچھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا حلیہ اور بتایا ہے۔ دو حلیے ایک شخص کے نہیں ہوسکتے۔ البتہ ایک نام کے کئی اشخاص ہوسکتے ہیں۔ پس گزشتہ اور آنے والے مسیح کے حلیہ میں اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک شخص نہیں بلکہ دو شخص ہیں اور دونوں میں باہم متشابہ ومتماثل ہونے کی وجہ سے نام کا اشتراک ہے۔

(پنجم) قرآن مجید اور احادیث سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اور جو وفات پا جائے وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے موعود مسیح حضرت عیسےٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔

(ششم) پہلے سوال کے جواب میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ سورہ فاتحہ میں یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ کہ امت محمدیہؐ کا ایک گروہ یہود کے رنگ میں رنگین ہوگا۔ اور ایک گروہ عیسائیوں کے رنگ میں۔ اور یہ دونوں گروہ امت محمدیہ میں سے ہوں گے۔ اور احادیث میں بھی مسلمانوں کے ایک گروہ کے یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ پس ایک طرف قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ امت محمدیہ کا ایک گروہ یہود ونصاریٰ کے رنگ میں رنگین ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے ابن مریم آئے گا۔ اس سے لازمی طور پر یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ جس طرح یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے والے امت محمدیہ سے ظاہر ہوں گے۔ اسی طرح ان کی اصلاح کے لئے آنے والا ابن مریم بھی امت محمدیہ ہی سے ظاہر ہوگا۔ **فافهم**

تیسرا نتیجہ: مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اس خاص شخص کے نزول کی خبر کو رد کر دے" تو اسے سرے سے اس "مسیح موعود" کے تخیل کو ہی رد کرنا ہوگا۔"

عجیب بات ہے کہ مولانا مودودی صاحب ایک طرف تو نزول مسیح کی خبر کو قطعی اور یقینی بتاتے اور ایسی نا قابل تردید شہادتوں سے ثابت شدہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اسے رد کیا جائے تو پھر......................؟

"دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔"

اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت عیسےٰ کا بذاتہٖ دوبارہ آنا نہ مانے تو اسے "مسیح موعود" کے تخیل کو ہی رد کر دینا ہوگا۔ یعنی یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ کوئی مسیح موعود نہیں آئے گا۔

اور ظاہر ہے کہ مولانا کے اپنے عقیدہ کے مطابق نزول مسیح کی خبر کو رد کرنا تو ایسا ہے جیسا دنیا کے تمام تاریخی واقعات کو رد کر دینا۔ اس لئے نزول مسیح کی خبر کو تو کسی صورت میں رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضرت عیسےٰؑ کے بذاتہٖ نزول کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے

کہ جب یہود نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کوصلیب دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں چوتھے یا دوسرے آسمان پر (جو بھی جناب مولانا متعین کریں) اٹھا لیا۔اور وہ قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر بجسمہ العنصر ی زندہ موجود ہیں اوراس انتظار میں ہیں کہ کب دجال ظاہر ہو وہ دو زرد چادریں پہنے اور دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اس کے قتل کے لئے نازل ہوں۔

اور ایک چھوٹے سے حربہ سے اس کو قتل کریں۔اور آپ کا وہ عظیم الشان فرض پورا ہوجس کے لئے آپ قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ رکھے گئے ہیں۔اور پھر آپ وفات پائیں۔لیکن اس عقیدہ کو تو آج مصر کی از ہر یونیورسٹی کے چوٹی کے علماء بھی رد کر چکے ہیں۔اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی اُسے کسی صورت میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔علاوہ ازیں قرآن مجید اور احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام زندہ بجسد ہ العنصر ی ہر گز آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔بلکہ یقیناً طبعی وفات پا کر مثل اور تمام انبیاء علیہم السلام کے زیر زمین مدفون ہو چکے ہیں۔اور ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے۔اور قریباً دو ہزار برس سے وہاں زندہ موجود ہونے کے اثبات کے لئے مولانا مودودی صاحب بھی قلم کو جنبش نہیں دے سکیں گے۔

پس ایسے شخص کے لئے جو قرآن مجید اور احادیث کی رو سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کا قائل ہے کیا یہ مناسب ہوگا۔کہ وہ ابن مریم کے نزول سے ایسے شخص کا ظہور مراد لے جوان کا ہم صفات ہو اور کئی امور میں ان کے ساتھ مشابہت رکھے اور مسیح موعود کے ظہور کی خبر کو صحیح قرار دے۔یا یہ مناسب ہوگا۔کہ وہ ان تمام یقینی اور قطعی شہادتوں کو رد کردے جن سے نزول مسیح کی خبر ایسے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہے کہ اگر اسے رد کیا جائے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ہر عقلمند انسان یہی کہے گا کہ اس صورت میں نزول ابن مریم سے مراد مثیل کا ظہور لینا ہی مناسب ہے۔جو محاورات زبان کے عین مطابق ہے اور قرآن وحدیث جس کے موئید ہیں۔

لطیفہ: مولانا مودودی صاحب ابن مریم سے مثیل مراد لینا کسی طرح جائز خیال نہیں کرتے حالانکہ نزول ابن مریم والی حدیث کے بقیہ الفاظ بھی اپنے حقیقی معنوں پر محمول

نہیں ۔اس حدیث میں " انتُم" " فیکم" "امامکم" "منکُم" میں "تُم" اور "کُم" کے حقیقی مخاطب تو صحابہ ہی تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود تھے۔مگر کیا جناب مولانا مودودی صاحب ان صحابہ کو مراد لے سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ مجبور ہیں کہ حضرات صحابہ سے ان کے امثال ہی مراد لیں ۔ بجز اس کے آپ کے لئے قدرت نے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی ۔ کیونکہ حدیث نزول ابن مریم میں صحابہ کرام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ابن مریم تم میں نازل ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام میں تو جناب مولانا کے وہ ابن مریم اور مسیح ابن مریم اور عیسٰے ابن مریم تشریف لائے نہیں اور اب اگر بفرض محال وہ کبھی تشریف لے بھی آئیں تو وہ تشریف لانا صحابہ کرام میں تو ہو نہیں سکتا کہ وہ بلا استثنا لے احد سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں ان کا تشریف لانا صحابہؓ کے امثال میں ہی ماننا پڑے گا۔ جو آخری زمانہ میں ہونے والے تھے۔اسی طرح ابن مریم سے مراد بھی مثیل ابن مریم ہے۔

اسی طرح ان احادیث میں کسر صلیب اور قتل خنزیر وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ اور محققین علماء نے انہیں بھی ان کے حقیقی معنوں پر محمول نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تاویل کی ہے۔

پس مولانا مودودی صاحب کا یہ نظریہ کہ اگر کسی وجہ سے حضرت عیسٰے کا دوبارہ نزول نہیں مانا جاسکتا تو اس خبر کو ہی رد کر دینا چاہئے۔ جس کو اگر رد کیا جائے تو کوئی تاریخی واقعہ قابل قبول نہیں ہوسکتا حد درجہ غیر معقول ہے۔لیکن اس خبر کو جو یقینی شہادتوں سے ثابت ہے صحیح تسلیم کرتے ہوئے ابن مریم سے مراد امت محمدیہؐ میں سے ایک مثیل کا ظہور مراد لیا جائے ۔ جو محاورات زبان کے عین مطابق ہے اور جیسا کہ امت محمدیہ کا ایک گروہ قدیم سے مانتا چلا آیا ہے تو ایسا کرنا اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا۔

> "مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا۔ کسی حد تک معقولیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔" (آزاد ۲۱-اپریل ۱۹۵۰ء)

خلط مبحث

تحقیقاتی عدالت کے سوالات اصولی رنگ کے تھے اور اس میں حضرت بانی جماعت احمدیہؑ کے دعویٰ کے متعلق کوئی سوال نہ تھا۔ کہ آیا آپ اپنے دعویٰ میں صادق تھے یا نہیں۔ لیکن مولانا مودودی صاحب نے اصولی لحاظ سے اپنے جواب کو غیر مکتفی سمجھتے ہوئے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دعویٰ کو تدریجی ثابت کرنے اور آپ کے دعویٰ نبوت اور یہ کہ آپ ابن مریم کیسے بنے وغیرہ مسائل کے متعلق الیاس برنی کی کتاب سے بہت سے حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ تمام ابحاث تحقیقات عدالت کے سوالات سے تعلق نہیں رکھتیں اس لئے ہم ان ابحاث سے اجتناب مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔ ان تمام حوالہ جات کے جوابات ہم نے احرار کے تحریری بیان کے جواب میں عدالت میں داخل کر دیئے تھے۔ لیکن تاہم ان چند باتوں کا جو مولانا مودودی صاحب نے اپنی علمیت جتانے کے لئے فخریہ رنگ میں پیش کی ہیں مختصر طور پر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ بروز

مولانا مودودی صاحب نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے ''بروز'' کو تناسخ خیال کرتے ہوئے اُسے سراسر ایک ہندوانہ تخیّل قرار دیا ہے۔ مولانا شاہ مبارک احمد علی صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب خزائن اسرار الکلم مقدمہ شرح نصوص الحکم میں فرماتے ہیں:۔

''اٹھارھواں مراقبہ مسئلہ بروز اور تمثّل کے بیان میں۔ بعض ناواقفی سے اس کو بھی تناسخ کہتے ہیں۔'' پھر بروز کی حقیقت بیان کی ہے۔

(خزائن اسرار الکلم مطبوعہ کانپور صفحہ ۴۷)

اسی طرح شیخ محمد اکرام صاحب صابری نے اپنی تصنیف اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ مہدی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونگے آپ فرماتے ہیں:۔

''ہم او باشد کہ در آخر بصورت خاتم ظاہر گرود یعنی خاتم الولایت کہ مہدی است نیز روحانیت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم بروز وظہور خواہد کرد وتصر

فہا خواہد نمود وایں را بروزات کمّل گویند نہ تناسخ۔ وبعضے برآئند کہ روح عیسٰے در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث "لا مهدی الا عیسٰی ابن مریم"۔"

اور بروز کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"روحانیت کُمّل گاہے برارباب ریاضت چناں تصرف مے فرمائند کہ فائل افعال شاں مے گردد وایں مرتبہ را صوفیہ بروز میگونید۔"

اسی طرح مرحوم ومغفور حضرت پیر خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والے فرماتے ہیں:۔

" والبروز ان یفیض روح من ارواح الکمّل علی کامل کما یفیض علیہ التجلیات وھو یصیر مظھرہ ویقول اناھو."

(اشارات فریدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰)

یعنی بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا فیض ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام مہدی میں بروز فرمائیں گے۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔

"اکثر فرمایا کرتے تھے آنحضرت رضی اللہ عنہ کہ **ھٰذا وجود جدّی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم لا وجود عبدالقادر**"

(یعنی میرا وجود میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبد القادر کا وجود نہیں۔ ترجمہ از ناقل)

"پس یہ کلام آنحضرت کی دلالت کرتی ہے اور پر فنائے اتم اور محو کامل آنجناب کے بیچ ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے از راہ فرط عشق ومحبت ذات در ذات ہو کر فنافی الرسول ہو گئے تھے۔

ذاتاً و صفاتاً. قو لاً و فعلاً. حالاً و کمالاً.

(گلدستہ کرامات مؤلفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلی صفحہ ۸)

پس بروز سے مراد نہ تناسخ ہے اور نہ ہی یہ ہندوانہ تخیّل ہے۔ بلکہ صوفیائے کرام اور امت محمدیہؐ کے بزرگ ربانی علماء نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ نے تحفہ گولڑیہ کے صفحہ ۱۲۹ سے صفحہ ۱۳۳ تک رجعت بروزی کی مثالیں اور اس کی فلاسفی ذکر کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ رجعت بروزی کی ایک مثال الیاس کا بصورت یحیٰؑ آنا ہے۔ اسی طرح شیعہ صاحبان مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اسی طرح ہندو بھی کہتے ہیں کہ آخری زمانہ میں کلگی اوتار آئیں گے جو کرشن کا اوتار ہوں گے۔ اسی طرح مسلمان اور عیسائی حضرت عیسٰیؑ کا دوبارہ آنا مانتے ہیں۔ یہ مثالیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

> ''ان سب کا آخری زمانہ میں آنا بروزی طور پر مقدر تھا۔ نہ کہ ظاہری طور پر جیسا کہ ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں نے خیال کر لیا اور وہ آنے والا ایک ہی شخص تھا اور وہ میں ہوں اُسے مختلف مذاہب کی کتب میں استعارہ کے طور پر یہ نام دیئے گئے۔''

ان تصریحات کے بعد کوئی انسان بروز کو تناسخ نہیں کہہ سکتا۔ **الا من سفه نفسه**

امام جماعت مسیح ہوگا یا کوئی اور

مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ مفسرین و محدثین نے بالاتفاق اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ امام جماعت مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا۔ اور حضرت عیسٰیؑ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

ہم سوال نمبر 1 کے جواب میں زیر عنوان ''امامکم منکم میں امام سے کون مراد ہے؟ بتا چکے ہیں۔ کہ امام سے مراد خود مسیح ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنے والا مسیح مسلمانوں کی نماز میں امام ہوگا۔ اور علامہ تفتازانیؒ نے صحیح عقیدہ یہی قرار دیا ہے۔ کہ مہدی مسیحؑ کی نماز میں اقتدا کریں گے۔ اور ابن ابی ذئب اور امام طیبیؒ

نے بھی امکم منکم کی یہی تشریح کی ہے کہ آنے والا ابن مریم مسلمانوں کا امام ہوگا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے حق میں اماما مھدیا فرمایا ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اپنی تائید میں جو روایات نمبر 2، 8، 14، 15 کا حوالہ دیا ہے۔ وہ درحقیقت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ کہ صبح کی نماز کا وقت ہوگا۔ جب عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور جیسا کہ روایت نمبر 14 سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت امام فجر کی نماز پڑھا رہا ہوگا۔ امام پیچھے ہٹنا چاہے گا۔ تو عیسیٰ فرمائیں گے :تقدم فصلّ فانھالک اقیمت کہ آپ اپنی نماز پڑھائیں کیونکہ یہ نماز آپ کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ یہ پسند نہیں کریں گے کہ وہ امام جس کے لئے نماز کھڑی کی جائے گی اس کی بجائے خود امام ہوں۔ اور نئے سرے سے نماز شروع کرائیں۔

اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک غیر نبی کی اقتدا میں نبی کی نماز ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ ہرگز نہیں نکلتا کہ مسیح موعود مسلمانوں کے نمازوں میں امام نہیں ہوں گے۔ اور خود علماء نے مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ وہ امت محمدیہؐ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۶) اور صحیح مسلم کی حدیث اور جو حدیث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان درج ہے کہ جب مسلمان نماز کی تیاری کر رہے ہوں گے تو مسیح نازل ہوں گے اور وہ ان کے امام ہوں گے۔

قائد امت کون ہوگا؟

اسی طرح مولانا مودودی صاحب نازل ہونے والے مسیح کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''اور اس کے زمانے میں اسلام کا جو بھی امیر یا سردار جماعت ہوگا اس کی قیادت کو تسلیم کرے گا۔ اور صرف فتنہ دجال کو ختم کرنے کی وہ خدمت انجام دے گا۔ جو اس کے سپرد کی گئی ہوگی۔ اس لئے وہ احتیاطاً نماز میں بھی مسلمانوں کی امامت نہ کرے گا۔ بلکہ انہی کے امام کی اقتدا کرے گا۔''

(دس نکات کا جواب صفحہ ۳)

یہ بھی مولانا کی لاعلمی پر دال ہے۔ کیونکہ احادیث اور بزرگان سلف کے اقوال سے ثابت ہے کہ مسیح موعود نبی ہوگا۔ (دیکھو جواب سوال نمبر۳)

اور نبی کا غیر نبی قائد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کو مسیح موعود کی قیادت تسلیم کرنا ہوگی۔ مولانا صاحب نے اس جگہ جس ذہنیت کا اظہار کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگر ان کا مزعومہ مسیح ان کی زندگی میں آسمان سے نازل ہوجائے تو وہ ان سے اپنی قیادت منوائیں گے انہیں اپنا قائد تسلیم نہیں کریں گے۔ اور قیادت کے مسئلہ پر ہی مولانا مودودی اور ان کے مزعومہ مسیح میں ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ تکفیر کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مسیح موعود آئے گا تو:۔

''علماء ظواہر مجتہدات اور اعلی نبینا وعلیہ السلام از کمال دقت وغموض مأخذ انکار نمائند ومخالف کتاب وسنت دانند۔''

(مکتوبات امام ربانی جلد۲ صفحہ۱۰۷ مکتوب نمبر۵۵)

کہ مولانا مودودی اور ان جیسے دیگر علماء ظواہر مسیح موعود کے مسائل اجتہادیہ کا انکار کریں گے اور قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے مخالف قرار دیں گے۔

اور یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہوگا۔ اگر وہ آگئے تو

''سارے مقلد بھائی ان کے جانی دشمن بن جائیں گے اور ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے۔ کہیں گے یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ۲۲۴)

پھر لکھا ہے:۔

''ان کے دشمن علماء اہل اجتہاد ہوں گے۔ اس لئے کہ ان کو دیکھیں گے کہ خلاف مذہب ائمہ حکم کرتے ہیں..... ان کا دشمن کھلم کھلا کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہی فقہ والے بالخصوص۔ کیونکہ ان کی ریاست باقی نہ رہے گی۔ عام لوگوں سے کچھ امتیاز نہ ہوگا۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ۹۵)

مولانا مودودی صاحب نے ابھی سے اپنے مزعومہ نازل ہونے والے مسیح کی مخالفت کے لئے پینترا باندھ لیا ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو ہم علمائے دین متین ان سے اپنی قیادت منوائیں گے اور ان سے کہیں گے۔ کہ آپ کو تو قرآن مجید واحادیث کا علم نہیں ہے اس لئے آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ ہمارے قائد ہوں بلکہ آپ کو ہماری قیادت تسلیم کرنی ہوگی اور دینی امور میں آپ کو ہمیں اپنا امام تسلیم کرنا چاہئے۔

مسیح کا کام

مولانا مودودی صاحب کے نزدیک مسیح کا کام صرف فتنہ دجال کو ختم کرنا ہے۔ حالانکہ حدیث نزول ابن مریم میں صاف طور پر مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم غور کرو تم اس وقت کس حالت میں ہوگے جب تم میں ابن مریم آئے گا۔ وہ حکم عدل ہوگا۔ یعنی اس وقت امت اپنے اندرونی اختلافات کی وجہ سے پارہ پارہ ہوچکی ہوگی۔ اور جیسا کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے یہود و نصاریٰ کی طرح بہتر فرقوں میں بٹ چکی ہوگی جو ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے کو کافر و مرتد خیال کریں گے۔ تب مسیح ظاہر ہوگا اور وہ تمہارے اندرونی اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ اور جو فیصلہ وہ کرے گا وہی صحیح ہوگا۔ جس کا ماننا مسلمانوں کے تمام فرقوں کے لئے ضروری ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ **اماما مھدیا** ہوگا۔ یعنی اس وقت وہی خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح اور ہدایت یافتہ امام ہوگا۔

پھر احادیث میں آنے والے مسیح کا کام کسر صلیب بتایا گیا ہے۔ جس کے معنے علمائے کرام نے یہی کئے ہیں کہ عیسائی مذہب کو از روئے دلائل و براہین شکست دے گا۔ اور اسلام کا غلبہ ظاہر کرے گا۔ چنانچہ مولانا قطب الدین صاحب شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

''پس توڑیں گے صلیب کو یعنی باطل کریں گے دین نصرانیت کو۔''

(مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۳۸۴)

اور علامہ بدرالدین العینی شرح بخاری میں بحوالہ امام طیبیؒ کسر صلیب کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

"ابطال النصرانية والحكم بشرع الاسلام"
کہ وہ عیسائیت کو باطل کریں گے اور اسلامی شریعت کے ساتھ حکم کریں گے۔
پھر علامہ عینی لکھتے ہیں کہ۔
''مجھ پر اللہ تعالیٰ کے فیض سے یہ بات کھلی ہے کہ کسر صلیب سے مراد نصاریٰ کے جھوٹ کا اظہار ہے کیونکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ مسیح سولی پر مارے گئے تھے۔
پھر لکھتے ہیں کہ۔
''وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کو جو ان کا اپنا دین ہوگا الدین الحق ثابت کریں گے۔''
" الذی ھو نزل لاظھارہ وابطال بقیة الادیان."
یعنی وہ دین جس کے غالب کرنے اور باقی مذاہب کو باطل ثابت کرنے کے لئے نازل ہوں گے۔
(عینی شرح بخاری جلد۵ صفحہ۵۸۴ ترجمہ از عربی عبارت)

دجّال کے خانہ کعبہ کے طواف سے مراد

اسی طرح محققین علماء نے دجال کے خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے متعلق لکھا ہے:۔
یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ دجال کافر ہے۔ اس کو طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علماء نے کہ یہ حضرتؐ کے مکاشفات سے ہے۔ خواب میں تعبیر اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا کہ ایک روز ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے دین کے اور درستی کرنے خلل وفساد کے۔ اور دجال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل اور فساد ڈالنے کے دین میں کذاقال الطیبی رحمة اللہ (ملاحظہ ہو مظاہر حق شرح مشکوٰۃ للعلامہ قطب الدین جلد۴ صفحہ۳۷۲ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملاعلیقاری جلد۵ صفحہ۲۱۹ و مجمع البحار للعلامہ امام محمد طاہر جلد۲ صفحہ۳۲۱)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود کا کام صرف قتل دجال نہیں بلکہ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح اور ان کو صحیح دین پر قائم کرنا اور اسلام کو تمام دیگر ادیان پر دلائل وبراہین کی رو سے غالب ثابت کرنا اور خاص کر مسیح علیہ السلام کی طبعی وفات ثابت کر کے صلیبی عقیدے کی بیخ کنی کرنا اور یاجوج ماجوج کا روحانی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا وغیرہ سب مسیح موعودؑ کے کام ہیں۔

دجال کو ایک مسلمان کس طرح مسیح مان سکتا ہے؟

پھر دجال جو مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ایک شخص ہوگا جو دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ اور اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ اور ایک گدھے پر سوار ہوگا۔ جس کے کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستّر باغ ہوگا۔ اس کے سر کی موٹائی کا اور اس کے قد کی لمبائی اور چوڑائی کا قارئین کرام خود اندازہ لگالیں۔ اور ایسے عجیب الخلقت گدھے پر ایک ہیبت ناک سیاہ دیو کی مانند کانا دجال سوار ہوگا۔ اور وہ جب مسیحؑ کو دیکھے گا تو ذاب کما یذوب الملح وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ لیکن مسیحؑ اس کے پورا پگھلنے سے پہلے چھوٹے سے حربہ سے اس پر ایک وار ضرور کریں گے تا اس کا قتل آپ کی طرف منسوب ہو سکے۔

ایسی عجیب وغریب شخصیت کے متعلق مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ آخر زمانے میں

> ''دجال (فریبی اور جعل ساز آدمی) اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرے گا۔ اور یہودی اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔
> .... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ خبر اس لئے دی تھی کہ مسلمان دجال کو مسیح ماننے سے بچیں۔ اور اس کے زمانے میں اصل مسیح کی آمد کا انتظار کریں۔''

(دس نکات کا جواب صفحہ ۳)

کیا یہ قرین قیاس ہے کہ دجال ایک مہیب اور خوف ناک انسان کی صورت میں علامات مذکورہ بالا کے ساتھ ظاہر ہوگا اور ایک نادر الخلقت بے نظیر و بے مثال گدھے پر سوار ہوگا۔ تو مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس کو مسیح مان لے گا۔ اور اس کی طرف مسیحائی کا دعویٰ

منسوب کرنا بھی مولانا مودودی صاحب کی ایجاد ہے۔ کیونکہ احادیث میں یہ ذکر کہیں نہیں پایا جاتا کہ وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور اس کے نام کے ساتھ جو مسیح کا لفظ آیا ہے تو اس سے زیادہ تر یہی مراد لیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی خیر سے خالی ہوگا۔

دوسرے اس کی کثرت سیاحت کی وجہ سے کہ وہ تمام دنیا میں پھرے گا اُسے مسیح کہا گیا ہے۔ اور کسی محقق عالم نے یہ نہیں لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ پس مولانا مودودی صاحب نے بغیر سوچے سمجھے سوال نمبر 2 کے جواب میں ایسی بے تکی ہانکی ہے۔

دمشق کے لفظ پر حیرانی

اسی سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب اپنے جوابات کے ضمیمہ نمبر 7 شق نمبر 9 میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کے اس فقرہ پر کہ:

''حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید مشرقی کے پاس اتریں گے۔ یہ لفظ ابتدا سے محقق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے۔''

اپنی علمیت جتانے کے لئے فخریہ انداز میں لکھتے ہیں۔

''واضح رہے کہ دمشق کے لفظ پر مرزا صاحب سے پہلے کسی صاحب علم کو حیرانی نہیں پیش آئی۔ علم حدیث کے جتنے شارحین ہیں۔ ان میں سے کسی کے کلام میں بھی حیرانی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ البتہ مرزا صاحب کو ضرور یہ حیرانی لاحق رہی ہوگی کہ حدیث میں ایک مشہور معروف مقام کی تصریح ہونے کے باوجود وہ کس طرح مسیح موعود بنیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی صاحب کو حدیث کی شرح کا علم نہایت ہی قلیل ہے۔ آپ نے کس فخریہ انداز میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے دمشق کے مشرقی سفید منارہ کے پاس نزول کے متعلق کسی صاحب علم کو حیرانی نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس کے متعلق بہت سے محققین علماء کو حیرانی پیش آئی ہے۔ مثلاً

حضرت امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی شرح

مرقاۃ میں صحیح مسلم کی اس حدیث کا (جس میں مسیح علیہ السلام کے دمشق کے شرقی جانب منارۃ البیضاء میں نزول کا ذکر ہے) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام سیوطیؒ نے ابن ماجہ کی حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

"قال الحافظ ابن کثیر فی روایة ان عیسٰی علیه الصلوٰة والسلام ینزل ببیت المقدس وفی روایة بالا ردن وفی روایة بمعسکرالمسلمین قلت حدیث نزوله ببیت المقدس عندابن ماجة وهو عندی ارجح ولاینافی سائر الروایات لان بیت المقدس شرقی دمشق وهو معسکرالمسلمین اذاک........ وان لم یکن بیت المقدس اَلْان منارة فلابدان تحدث قبل نزوله والله تعالیٰ اعلم."

(مرقاۃ جلد۵صفحہ۱۹۷)

یعنی امام حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عیسٰی بیت المقدس میں نازل ہونگے اور ایک روایت میں ہے اردن میں اور ایک روایت میں ہے مسلمانوں کی لشکر گاہ (یعنی چھاؤنی میں) امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسیح کے نزول کی جگہ میں اس اختلاف کی وجہ سے جو حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے جو حیرانی ہوتی ہے وہ اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث جس میں مسیح کا بیت المقدس میں نزول بتایا گیا ہے وہ میرے نزدیک ارجح ہے اور وہ باقی روایات کے بھی منافی نہیں۔ کیونکہ بیت المقدس دمشق کے شرقی جانب ہے اور وہ مسیح کے نزول کے وقت مسلمانوں کی لشکر گاہ ہوگی۔ اس جواب پر امام سیوطیؒ کو خود یہ حیرانی پیش آئی کہ مسلم کی حدیث میں تو منارہ بیضا کا ذکر ہے۔ اور بیت المقدس میں کوئی سفید منارہ نہیں۔ تو اس حیرانی کو انہوں نے یہ کہہ کر دور کرنا چاہا کہ گواس وقت بیت المقدس میں کوئی مینارہ نہیں ہے لیکن مسیحؑ کے نزول سے پہلے ضرور ایک منارہ معرض وجود میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

اب مولانا مودودی صاحب بتائیں کیا مسیحؑ کے دمشق میں نزول کے متعلق صاحب علم اور شارحین حدیث کو حیرانی پیش آئی ہے یا نہیں؟ اور انہوں نے حیرانی دور کرنے کے

لئے تاویل کی ہے یانہیں کہ مسیح دمشق میں نہیں بلکہ بیت المقدس میں نازل ہوں گے۔ کیونکہ وہ دمشق کی شرقی جانب ہے۔

اب میں مولانا مودودی صاحب کی حیرانی میں اضافہ کرنے کے لئے اتنا اور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جغرافیائی لحاظ سے بیت المقدس دمشق کے مشرق میں نہیں ہے۔ بلکہ جانب جنوب واقعہ ہے۔ اوراب تک وہاں سفید منارہ بھی نہیں پایا گیا سوائے اس مینارہ کے جو اس پہاڑی پر عیسائیوں نے بنایا ہے۔ جہاں سے وہ آسمان پر چڑھے تھے۔

نیز مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ تمیم داری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق بیان کیا۔ کہ اس نے ایک گرجہ میں دجال کو مقید دیکھا۔ (ممکن ہے تمیم داری کا یہ خواب ہو) اور دجال نے یہ کہا کہ وہ وقت آئے گا جب میں سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر جگہ جاؤں گا۔ اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ دجال مشرق سے خروج کرے گا۔ اور مسیح کا بقول مولانا مودودی صاحب صرف یہی کام ہے کہ وہ فتنہ دجال کو مٹادے۔ اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کا ظہور بھی مدینہ سے مشرق کی طرف ہواور دمشق مدینہ منورہ سے بھی مشرق میں نہیں ہے۔

امید ہے کہ مولانا مودودی صاحب شروح حدیث سے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے دمشق میں نزول مسیح کے متعلق صاحب علم لوگوں کی حیرانی کو دور کرنے کا کوئی معقول حل بتائیں گے۔

(دیدہ بائد)

تیسرا سوال

(الف) کیا مسیحؑ اور مہدی کا درجہ بنی کا ہوگا ؟ اور

(ب) انہیں وحی والہام ہوگا ؟

جواب: ۔ ''مسیح موعودؑ'' کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ نبی اللہ ہوں گے۔ اور جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ ''مسیح موعودؑ' اور امام مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ اس لئے عدالت کے اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔

مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کا ثبوت

اس امر کا ثبوت کہ مسیح موعودؑ کا درجہ نبی کا ہوگا درج ذیل ہے۔

(الف) احادیث نبویہ:۔

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں (جو نواس بن سمعان سے مروی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں چار مرتبہ بنی اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

یحصر نبی اللہ عیسٰے و أصحابه.......

فیرغب نبی اللہ عیسٰے و أصحابه.......

یهبط نبی اللہ عیسٰے و أصحابه.......

فیر غب نبی اللہ عیسٰے و أصحابه.......

(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد۳ صفحہ ۴۰۱ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

نیر ابن ماجہ کتاب الفتن جلد۲ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ مصر

نیز مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۶ مطبع محمدی ۱۲۸۲ھ

(۲) اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسٰے کے

متعلق فرمایا:۔

"لَیْسَ بینی و بینهٗ نبی وَانه نازلٌ" (ابوداؤد جلد۲ صفحہ۵۹۴)

یعنی مسیح موعود جو آنے والے ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی بنی نہیں ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عیسٰے نبی ہوں گے۔

(۳) اسی طرح حافظ محمد عبد العزیز صاحب نے اپنی کتاب نبراس (تالیف ۱۲۳۹ھ) میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"سیکون بعدی ثلاثون کلهم یدعی انّهٗ نبی ولانبی بعدی الّاماشاء الله."

کہ میرے بعد تیس شخص ہوں گے۔ ہر ایک ان میں سے بنی ہونے کا دعوٰی کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جو خدا تعالٰی چاہے۔

یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں جو استثناء کیا گیا ہے بشرط صحت اس کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد عیسٰی علیہ السلام ہیں کہ وہ میرے بعد نبی ہوں گے۔

(النبراس صفحہ۴۴۵ مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ)

اقوال ائمہ وعلمائے کرام

(۲) شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"لاخلاف ان عیسٰے علیه الصلوٰة والسلام نبی ورسول وانّهٗ لاخلاف انه ینزل فی آخرالزمان حکمامقسطاعه عدلابشرعنا ... ونبوة عیسٰی ثابتة لَهٗ محققة فهذٰنبی ورسول قد ظهر بعده صلی اللّٰه‌علیه وسلم وَهو صادق فی قوله انهٗ لانبی بعدهٗ فعلمنا قطعاً انهٗ یرید نبوة التشریع خاصة"

(فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ۳)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسٰی نبی اور رسول ہیں۔ اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آئیں گے اور ان کے لئے نبوت ثابت اور محقق ہے۔

پس وہ نبی اور رسول ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں بھی صادق ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ آپؐ نے اپنے قول لا نبی بعدی سے یہ مراد لی ہے۔ کہ آپ کے بعد نبوت تشریعی نہیں ہوگی۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں:۔

" لانبوة التشريع بعده وان كان بعده مثل عيسٰے من اولی العزم من الرسل وخواص الانبياء."

(فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ ۵۵ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ مصر)

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد نبوتِ تشریع نہیں ہوگی۔ اگرچہ آپ کے بعد عیسٰے جیسے اولوالعزم اور خاص نبی آئیں گے۔

(۲) امام جلال الدین سیوطی اور نبوت مسیح موعودؑ

" ومن قال بسلب نبوته فقد كفر حقاً كماصرح به السيوطی فانه النبی لايذهب عنه وصف النبوة فی حيٰوته ولابعد مماته"

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

ترجمہ:۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے۔ اوران سے نبوت چھین لی جائے گی۔ تو وہ یقیناً کافر ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں۔ اور نبی سے وصف نبوت نہ اس کی زندگی میں علیحٰدہ ہوتا ہے اور نہ اس کی وفات کے بعد۔

(۳) امام جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے اپنے رسالہ "الاعلام" میں لکھا ہے:۔

کہ یہ جو لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ چار مذاہب میں سے ایک مذہب کے مطابق فیصلہ کیا کریں گے باطل ہے اور اس کا کوئی اصل نہیں۔

" وكيف يظن بنبی انه يقلد مجتهداً مع ان المجتهدين من احادهذه الامة لايجوزلهٗ التقليدوانما يحكم بالاجتهاد"

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۳ بحوالہ الاعلام)

یعنی ایک نبی کے متعلق یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک مجتہد کی تقلید کریں گے۔ جبکہ اس امت کے مجتہدین ایک نبی کے مقابلہ میں افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے مسیح موعود کے لئے ان کی تقلید جائز نہیں۔ وہ خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں گے۔

(۴) امام شیخ احمد بن حجر الہیتمی اپنی کتاب الفتاوی الحدیثیہ میں لکھتے ہیں۔

" وعیسٰی نبی کریم باق علٰی نبوتہٖ ورسالتہٖ لاکمازعمه من لایعتدبه انه واحد من هٰذه الامة لان کونه راحه اً منهم یحکم بشریعتهم لاینافی بقاء ہ علٰی نبوته ورسالته"

(الفتاوی الحدیثیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹)

کہ عیسٰیؑ ایک معزز نبی ہیں۔ وہ بعد نزول بھی اپنی نبوت ورسالت پر قائم یعنی نبی ورسول ہوں گے۔ اور اس شخص کا جو کسی قطار وشمار میں نہیں یہ زعم کہ وہ صرف اس امت کے ایک فرد ہوں گے درست نہیں۔ کیونکہ ان کا امت میں سے ایک ہونا۔ اور ان کی شریعت کے ساتھ حکم کرنا ان کے نبی اور رسول ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۵) الشیخ بالی افندی (وفات ۹۶۰ھ) شرح خصوص الحکم میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ ابن عربی کا یہ فرمانا کہ تشریعی نبوت ورسالت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی ہے۔

"فلا نبی بعده مشرعاً"

پس آپ کے بعد کوئی مشرع نبی نہیں ہے۔ مشرع کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو آپؐ کی شریعت کے ماتحت نہ ہو بلکہ نئی شریعت لائے۔

"فان عیسٰے نبیٌ یجئی داخلا تحت شریعته "

کیونکہ عیسٰے گو نبی ہیں۔ مگر وہ جب آئیں گے تو وہ آپؐ کی شریعت کے ماتحت ہوں گے۔

(کتاب شرح خصوص الحکم مطبوعہ تفسیر عثمانیہ صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴)

(۶) امام علامہ السید محمدؒ بن عبدالرسول الحسینی البرزنجی الشہر زوری ثم المدنی (وفات ۱۱۲۳ھ) الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ میں فرماتے ہیں:۔

"عیسٰے علیہ السلام نبی ہیں۔ معہذا امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں ہوں گے۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۵۰ بحوالہ اشاعۃ)

(۷) نواب صدیق حسن خان صاحب علماء کے اقوال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فھو علیه السلام و ان کان خلیفة فی الامة المحمدّیه فھو رسول ونبی کریم علیٰ حاله لا کمایظن بعض الناس انهٗ یاتی واحد من ھٰذہٖ الامةبدون نبوة ورسالة وجھل انھمالایزولان بالموت فکیف بمن ھوحیّ نعم ھو واحد من ھٰذہ الامة مع بقائہٖ علیٰ نبوتہٖ ورسالتہٖ" (حجج الکرامه صفحه۴۳۶)

ترجمہ:۔یعنی حضرت عیسٰے علیہ السلام جب آئیں گے تو وہ اس وقت امت محمدیہؐ میں بطور ایک خلیفہ کے ہوں گے۔مگر پھر بھی وہ حسب سابق رسول اور نبی ہوں گے۔بعض لوگوں کا یہ خیال کہ وہ محض امتی ہوکر بغیر نبوت اور رسالت کے آئیں گے۔صحیح نہیں۔اور ایسے شخص کو یہ معلوم نہیں ہے کہ نبوت و رسالت تو ایسی نعمتیں ہیں جو موت کے بعد بھی زایل نہیں ہوتیں زندہ سے کیونکر ہوسکتی ہیں۔وہ بے شک اس امت کے ایک فرد ہوں گے۔لیکن بحیثیت نبی اور رسول کے۔

(۸) نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعة میں لکھتے ہیں:۔

(ا)''خاتم الرسل کے مرتبہ کو دیکھنا چاہیے کہ ایسا پیغمبر جو کلمہ خدا اور روح اللہ ہے زمان آخر میں ان کی امت میں شامل ہوگا۔ یہ مرتبہ تو دنیا میں پایا جائے گا۔آخرت میں پورا پورا رتبہ مزیت سب انبیاء ورسل پر ظاہر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔'' (اقتراب الساعة صفحہ ۹۴)

(۲) پھر صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ۔مسیح کے نزول کے بعد ان پر اہل کتاب کا ایمان لانا یوں ہوگا کہ ان کو خدا کا نبی ورسول وعبد سمجھ کر ان کی اطاعت کریں گے۔مسلمان ہوجائیں گے۔جو مسلمان نہ ہوگا۔قتل کیا جائے گا۔''

(۹) رئیس المشائخ دار العلوم دیوبند مولانا انور شاہ صاحب خاتم النبیین کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

''عیسٰے علیہ السلام نبی ہوں گے اور نیا اور کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

(عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسٰے علیہ السلام مطبع قاسمی دیوبند صفحہ ۱۹،۲۱۵)

الغرض حدیث نبوی۔اقوال ائمہ وعلماء سے یہ ثابت ہے کہ آنے والا مسیح نبی اللہ ہوگا۔اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے۔کہ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے ان کے عقیدہ کو ائمہ کرام علمائے امّت نے غلط قرار دیا ہے۔مولوی مظہر علی صاحب اظہر نمائندہ مجلس احرار نے بھی اپنی بحث کے دوران میں یہ تسلیم کرلیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوں گے۔

سوال کی شق ب کا جواب

مسیح موعود اور مہدی پر نزول وحی والہام کا ثبوت

اس امر کا ثبوت کہ مسیح موعود ومہدی معہود پر وحی والہام ہوگا۔ حسب ذیل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"فبینماھم کذالک اذاوحی اللّٰہ تعالیٰ اِلی عیسٰی بن مریم انی اخرجت عباداً من عبادی لایدان لاحدٍ بقتالھم فحرز عبادی اِلی الطور الحدیث."

(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد اول صفحہ ۴۰۱ مطبوعہ مطبع اصح المطابع دہلی ۱۲۶۹ھ)

یعنی مسیح موعودؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی ہوگی کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ کسی شخص کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں پس تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جا کر ان کو محفوظ کرے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعودؑ کی طرف وحی ہوگی۔

(۲) امام حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الاعلام میں لکھا ہے:

"انہٗ (عیسٰے) بعد نزولہ یوحی الیہ بجبریل وحیًا حقیقیاواطال فی الاحتجاج لذلک والردعلٰی منکرہ."

(اسعاف الرغبین للشیخ محمد الصبان مصری صفحہ ۱۴۶ برحاشیہ نورالابصار للشیخ الشبلنجی مصری)

یعنی عیسٰی علیہ السلام پر ان کے نزول کے بعد حضرت جبرائیل وحی حق لائیں گے۔

اوراس کی تائید میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور وحی کے منکر کا رد کیا ہے۔

(۳) حضرت علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الاسوسی مفتی بغداد اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

''اور بعض علماء نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام پر ان کے نزول کے بعد وحی ہوگی۔ اور جب شیخ ابن حجر الہیتمی سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ان کی طرف وحی ہوگی۔جیسا کہ مسلم اور ان کے علاوہ دوسروں نے نواس بن سمعان سے روایت کی ہے۔پھر وحی کی عبارت جس کا ترجمہ زیر نمبر 1 اوپر ہو چکا ہے لکھا ہے:۔

"**وذلک الوحی علٰی لسان جبریل اذھو السفیر بین اللّٰہ تعالٰی وانبیاء ہ**"

''اور یہ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان سفیر ہیں۔''

پھر لکھا ہے:۔

" **وَخبر لاوحی بعدی باطل وَمَااشتھران جبریل لاینزل اِلی الارضِ بعد موت النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم فھولااصل لہٗ** "

یعنی یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جبریل کا نزول زمین کی طرف نہ ہوگا بالکل بے اصل اور باطل ہے۔ بلکہ طبرانی کی ایک اور روایت سے بھی اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

"**ولعل من نفی الوحی عنہ علیہ السلام بعد نزولہٖ ارادوحی التشریع وماذکروحیٍ لاتشریع فیہِ** "

اور جس نے حضرت عیسٰی کے نزول کے بعد ان پر وحی نازل ہونے کی نفی کی ہے تو اس کی مراد اس سے وحی تشریعی ہے۔اور جس وحی کا مسیح موعود پر نازل ہونا مذکور ہے وہ غیر تشریعی ہے۔

(روح المعانی جلد۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ والفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۲۹)

(۴) نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں مسلم کی اس حدیث کی عبارت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

''ظاہر یہی ہے کہ لانے والے اس وحی کے جبریل علیہ السلام ہوں گے۔ بلکہ اس کا ہم کو یقین ہے۔ اس میں کچھ تردد نہیں کیونکہ ان کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ درمیان خدا اور انبیاء کے سفیر ہوتے ہیں.... مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وحی تعلیم شریعت کے لئے ہوگی۔ بلکہ ظاہر یہ ہے۔ کہ بیان احکام حوادث وانتظام آفات کے واسطے ہوگی۔ کیونکہ شریعت تو دنیا میں پہلے ہی سے موجود ہے........

پس وحی اگر آئے گی تو ان کاموں کے لئے آئے گی جو زمانہ عیسوی میں ملاحم وآفات کی جنس سے پیش آنے والے ہیں۔ جیسے نکلنا یاجوج ماجوج کا۔ یہ حدیث **ان جبریل لاینزل اِلی الارض بعد موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم** بے اصل ہے۔ حالانکہ کئی حدیث میں آنا جبریل کا آیا ہے۔''

(۵) پھر لکھتے ہیں:۔

''مہدی کو علم قیاس نہ ہوگا۔ جو کچھ خدا القاء کرے گا یا فرشتہ حکم دے گا وہ حکم کریں گے۔ یہی وہ شرع حنفی محمدیؐ ہے۔ کہ اگر رسول خدا صلعم زندہ ہوتے اور یہ معاملہ پیش آتا۔ تو اس میں وہی حکم کرتے۔ جو امام کریں گے۔'' (اقتراب الساعت صفحہ ۹۷)

(۶) حضرت امام مہدی کی طرف وحی نازل ہونے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر علیہ السلام سے مروی ہے:۔

''ویوحٰی الیہ فیعمل بالوحی بامر اللہ''

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۰)

یعنی مہدی کی طرف وحی ہوگی۔ اور وہ اس وحی پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کریں گے۔

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود ومہدی معہود کی طرف وحی نازل ہوگی۔

(۷) مندرجہ بالاسطور میں ہم نے بالخصوص مسیح موعود ومہدی معہود پر وحی والہام کے نزول کے بارے میں حوالہ جات درج کئے ہیں۔ ورنہ اولیاً وصلحاء امت پر بالعموم وحی والہام کا نزول قرآن مجید۔ احادیث۔ اور اقوال بزرگان سلف سے ثابت ہے۔ جس کی تفصیل ہم مجلس عمل ومجلس احرار کے بیانات کے تحریری جواب میں مع حوالہ جات درج کر چکے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے تیسرے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے تیسرے سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ:۔

''جہاں تک حضرت مسیح کے نزول کا تعلق ہے علماء اسلام تصریح کرتے ہیں۔ کہ یہ نزول نبی کی حیثیت سے نہیں ہوگا (ملاحظہ ہو ضمیمہ۳) بلکہ شرح عقائد نسفی تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں یہ صاف صاف لکھا گیا ہے کہ ان کی طرف نہ وحی ہوگی۔ اور نہ احکام مقرر کریں گے۔ ضمیمہ نمبر 3 پیرا گراف نمبر 9،13 ضمیمہ نمبر 5 پیرا گراف نمبر 10۔ نیز احادیث میں کہیں اشارہ تک ایسا نہیں پایا جاتا جس سے حضرت عیسٰی کے نبی کی حیثیت سے آنے اور بذریعہ وحی شرعی احکام پانے کا شبہ کیا جاسکتا ہو۔''

تبصرہ

ہم اصل سوال کے جواب میں احادیث اور ائمہ علمائے کرام کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ مسیح موعود تابع شریعت محمدیہؐ نبی ہوں گے۔ اور ان کی طرف وحی بھی ہوگی۔ اور امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے تو ایسے شخص کو کفر کی طرف منسوب کیا ہے جو یہ کہتا

ہے کہ ان سے نبوت چھین لی جائے گی اور وہ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مجتہدین امت سے کسی مجتہد کی تقلید نہیں کریں گے۔ بلکہ خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں گے۔ اور امام ابن حجر الہیتمی مکّی نے ایسے شخص کو جو کہتا ہے کہ حضرت مسیح صرف ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور نبی نہیں ہوں گے۔ ''**من لایعتد به**'' کا خطاب دیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی شمار وقطار میں نہیں ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے حضرت مسیحؑ کے زمانہ سابق میں نبی ہونے اور بوقت نزول بحیثیت نبی نہ ہونے کی مثال یہ دی ہے۔

> ''خواجہ ناظم الدین اگرچہ اپنے وقت میں پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔ اور سابق گورنر جنرل کا ان سے اعزاز نہیں لیا گیا۔ مگر مسٹر غلام محمدؐ کے دور میں وہ ہمارے درمیان گورنر جنرل کی حیثیت میں نہیں بلکہ رعیت دولت پاکستان کے ایک فرد کی حیثیت میں ہیں۔ اسی طرح مسیح ابن مریم کے نزول کا عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ بالکل ہموار ہوجاتا ہے۔ اور اس امر کا شبہ تک باقی نہیں رہتا کہ ان کی آمد سے ایک نئے پیشوا کی اتباع کا سوال پیدا ہوگا۔''

(دس نکات کا جواب صفحہ۴)

حضرت عیسٰی کے نبی ہونے کو خواجہ ناظم الدین صاحب کے گورنر جنرل ہونے پر قیاس کرنا قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب جب گورنر جنرل کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے اسی وقت سے گورنر جنرل ہونے کا وصف ان سے زائل ہوگیا۔ آئندہ نہ انہیں یہ حق رہا کہ وہ اپنے لئے اس لقب کو استعمال کریں اور نہ کسی اور کو کہ وہ انہیں گورنر جنرل کہہ کر خطاب کریں۔ لیکن نبوت تو ایک ایسا وصف ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔ مسیح علیہ السلام نزول کے بعد بھی نبی ہوں گے اور نبی کہلائیں گے۔ جیسا کہ ہم اصل سوالوں کے جواب میں بہ تفصیل ذکر کر چکے ہیں۔

اور علامہ آلوسی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔

" فهو علیه السلام نبی ورسول قبل الرفع وفی السماء وبعد

النزول وبعد الموتے ایضاً“

(روح المعانی جلد۷ صفحہ ۶۰)

یعنی حضرت مسیحؑ رفع سے پہلے بھی وہ نبی اور رسول تھے۔ اور آسمان میں بھی اور نزول کے بعد بھی اور موت کے بعد بھی وہ نبی اور رسول ہوں گے۔ کیا خواجہ ناظم الدین بھی اسی طرح گورنر جنرل ہیں؟

نبوت تو ایک روحانی مقام ہے۔ جب کسی شخص کو یہ مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے اس امر پر بہت زور دیا ہے کہ ان کی پیشوائی کو ماننا ضروری نہیں ہوگا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر کر کے کہ وہ کئی فرقوں میں منقسم ہو چکے ہوں گے اور اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور ان نام نہاد مسلمانوں کے علماء بدترین مخلوقات ہوں گے۔ آنے والے مسیح کو حکم عدل اور امام مہدی قرار دیا ہے۔ اور اسی لئے علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے کہ حضرت مسیحؑ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اور مہدی اقتداء کریں گے۔ کیونکہ وہ افضل ہے اور ان کی امامت اولیٰ ہے۔

(شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ مصر)

لیکن باوجود اس کے مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی امامت اور پیشوائی کو ماننے کی کیا ضرورت؟ سچ ہے جب مولانا مودودی صاحب حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی قیادت منوانے کے متمنی ہیں تو پھر ان کی پیشوائی کو ماننا کیوں ضروری قرار دیں گے۔

تین حوالے: مولانا مودودی صاحب نے اپنے جواب میں ضمیمہ نمبر 3 پیراگراف 9، 13 اور ضمیمہ نمبر 5 پیراگراف نمبر 10 کو اپنے دعویٰ کی تائید میں خاص طور پر پیش کیا ہے۔ اس لئے طول سے بچنے کے لئے ہم بھی دوسرے اقوال چھوڑتے ہوئے انہی تینوں حوالوں پر بحث کرتے ہیں۔

پہلا حوالہ: مولانا مودودی صاحب نے اپنی تائید میں سب سے پہلے ضمیمہ نمبر 3 پیراگراف نمبر 9 کو پیش کیا ہے۔ آپ بحوالہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

’’جس بات کو علماء نے بصراحت بیان کیا ہے۔ بلکہ جس پر تمام علماء کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ عیسٰی ابن مریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے اور آپ ہی کی ملت پر ہوں گے...... ابن عساکر کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ البتہ میرے اورابن مریم کے درمیان کوئی رسول پوری نہیں۔ اور ابن مریم جب آئیں گے۔ تو میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے۔ اور سبکی نے تصریح کی ہے کہ وہ ہمارے نبی صلعم کی شریعت پر حکم کریں گے۔ یعنی قرآن وسنت کے مطابق۔‘‘

(ترجمہ عبارت عربی از مولانا مودودی صاحب)

اس عبارت میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ حضرت عیسےٰؑ نبی نہیں ہوں گے۔ بلکہ اس کے برعکس ابن عساکر کی روایت کے یہ الفاظ کہ ’’البتہ میرے اور ابن مریم کے درمیان کوئی اور رسول اور نبی نہیں۔‘‘ صاف بتا رہے ہیں کہ ابن مریم نبی اور رسول ہوں گے۔ اس فقرہ کا اس کے سوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا اور ’’ألا انه خليفة فی امتی‘‘ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ وہ باوجود رسول اور نبی ہونے کے میری امت میں میرے خلیفہ ہوں گے اور قرآن وسنت کے مطابق حکم کریں گے۔

اس روایت سے مولانا مودودی صاحب کے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ مسیح موعود کسی اور خلیفہ یا امیر کی قیادت تسلیم کریں گے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں وہی خلیفۃ المسلمین ہوں گے نہ کوئی اور۔

الفتاوی الحدیثیہ کا حوالہ

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے الفتاوی الحدیثیہ کا خود مطالعہ نہیں کیا۔ بلکہ کسی اور مصنف کی کتاب سے حوالہ نقل کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ اور دوسرے احمدیہ مؤلفین کی کتب کے حوالہ جات اندھا دھند الیاس برنی کی کتاب سے نقل کر دیتے ہیں۔

الفتاوی الحدیثیہ جس کا حوالہ مولانا نے دیا ہے وہ ابن حجر عسقلانی کی نہیں بلکہ ابن حجر الہیتمی مکّی کی ہے۔ اور اگر انہیں دو صفحوں (صفحہ نمبر ۱۲۸، ۱۲۹) کی دوسری عبارتیں ان

کے علم میں آ جاتیں تو غالباً وہ اس حوالے کا ذکر نہ کرتے۔

مولانا نے حوالہ نقل کرتے ہوئے نقطے دیکر جو عبارت چھوڑی ہے وہ یہ ہے:۔"وفی روایة سند ھا جید مصدقا بمحمد وعلی ملته اماما مھدیا وحکماعدلا." یعنی ایک روایت میں ہے جس کی سند اچھی ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے اور آپ کی ملت پر ہوں گے اور امام مہدی اور حکم عدل ہوں گے۔ اور اسی صفحہ نمبر ۱۲۸ پر امام ابن حجر الہیتمی کا یہ جواب بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خود اجتہاد کریں گے اور کسی اور کی تقلید نہیں کریں گے اور یہ دونوں باتیں کہ مسیح موعود امام مہدی ہوں گے کسی دوسرے کی قیادت کے ماتحت نہیں ہوں گے بلکہ خود خلیفۃ الرسول ہوں گے۔ اور دوسرے مجتہدین کی تقلید نہیں کریں گے مولانا مودودی صاحب کے نظریات کے مخالف ہیں۔

علامہ ابن حجر الہیتمی کا جو جواب مولانا مودودی صاحب نے نقل کیا ہے وہ صرف اس سوال کا جواب ہے کہ کیا عیسٰیؑ نزول کے وقت ہماری شریعت کے مطابق حکم کریں گے یا کسی اور شریعت کے ساتھ۔ اور صفحہ ۱۲۹ میں اس سوال کا کہ (ھل ثبت ان عیسٰی صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزوله یأتیه الوحی) کیا یہ ثابت ہے کہ عیسٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول کے بعد وحی ہوگی؟ امام ابن حجر الہیتمی نے یہ جواب دیا ہے:۔

"نعم یوحی الیه وحی حقیقی کمافی حدیث مسلم"

ہاں مسیح علیہ السلام کی طرف حقیقی وحی ہوگی جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے جو نواس بن سمعان سے مروی ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ عیسٰی علیہ السلام پر ان الفاظ میں وحی ہوگی۔

"یاعیسٰی انی اخرجت عبادالی لایدان لاحدبقتالھم فحوّل عبادی الی الطور"

حدیث کے یہ الفاظ ذکر کر کے فرماتے ہیں:"اور یہ وحی جبریل کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہیں۔"

اور فرماتے ہیں:۔ " وعیسیٰ نبی کریم باقٍ علی نبوته ورسالته لاکمازعمه من لایعتد به انه واحد منِ ھذه الامة."

اور عیسیٰؑ معزز نبی ہیں اور اپنی نبوت اور رسالت پر فائز رہیں گے۔ اور یہ درست نہیں جیسا کہ بعض غیر معروف کا جو کسی گنتی میں نہیں خیال ہے کہ وہ دوسروں کی طرح امت کے ایک فرد ہیں۔ کیونکہ ان کا مسلمانوں میں سے ہونا اوران کی شریعت کے مطابق حکم کرنا ان کی نبوت اور رسالت کے منافی نہیں ہے پھر فرماتے ہیں:۔

'' **وخبر لاوحی بعد باطل**'' اور یہ خبر کہ میرے بعد وحی نہیں بالکل باطل ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جبریل زمین پر نہیں آتے '' **فھو لااصل لہ**'' بے بنیاد اور بے اصل محض ہے اور طبرانی کی روایت بھی اس خیال کو رد کرتی ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آنے والا مسیح نبی نہ ہوگا۔ اور نہ اس کی طرف وحی ہوگی الفتاویٰ الحدیثیہ کا حوالہ پیش کیا تھا۔

قارئین کرام الفتاویٰ الحدیثیہ خود پڑھ کر دیکھ لیں کہ آیا اس کے صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ سے جن میں مذکورہ بالا عبارات درج ہیں مولانا مودودی صاحب کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے یا ہمارے نظریہ کی جو ہم نے تیسرے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔

دوسرا حوالہ: جس کا ذکر خاص طور پر مولانا مودودی صاحب نے اپنے جواب میں کیا ہے وہ ضمیمہ نمبر 3 کا پیراگراف نمبر 13 ہے اور وہ علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۴ کا ہے۔ جو یہ ہے۔

'' پھر عیسیٰ جب نازل ہوں گے تو اپنی اس نبوت پر باقی ہوں گے جو ان کو پہلے مل چکی تھی۔ بہر حال اس سے معزول نہ ہو جائیں گے۔ مگر وہ اپنی پچھلی شریعت کے پیرو نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ ان کے اور سب لوگوں کے حق میں منسوخ ہو چکی ہے اور اب وہ اصول اور فروع میں اس شریعت کی پیروی پر مکلّف ہیں۔ لہذا ان پر نہ تو وحی ہوگی اور نہ ان کو احکام مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ بلکہ وہ رسول اللہ صلعم کے خلیفہ اور آپ کی امت میں آپ کی ملّت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔''

(ترجمہ عربی عبارت از مولانا مودودی)

علامہ آلوسی نے بھی اس عبارت میں اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ وہ باوجود نبی ہونے کے شریعت محمدیہؐ کے پیرو ہوں گے۔ اور اس سوال پر کہ آپ کی طرف وحی ہوگی یا نہیں بحث کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے امام ابن حجر الہیتمی کا جواب الفتاویٰ الحدیثیہ سے پورے کا پورا نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''**ولعل من نفی الوحی عنه علیه السلام بعد نزوله اراد وحی التشریع**''۔ یعنی جس نے آنے والے مسیح کے متعلق یہ کہا ہے کہ ان کی طرف وحی نہیں ہوگی۔ اغلباً اس کی مراد اس سے وحی تشریعی ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ عقیدہ اسی آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے جہاں سے مولانا مودودی صاحب نے روح المعانی سے عبارت نقل کی ہے۔ پس علامہ آلوسی کا یہ قول کہ ان پر نہ تو وحی ہوگی اور نہ ان کو احکام مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ صرف اس معنی میں لیا جائے گا کہ مسیح موعودؑ کی طرف تشریعی وحی نازل نہیں ہوگی اور نہ انہیں اسلامی شریعت میں احکام کے تغیر وتبدل کا اختیار ہوگا۔

تیسرا حوالہ۔ مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ نمبر 5 پیراگراف نمبر 10 کا تفسیر روح البیان سے پیش کیا ہے۔ اس حوالہ میں سے جو حصہ ہمارے سوال سے متعلق ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ۔ '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عیسٰی علیہ السلام کا نزول آپ کے خاتم النبیین ہونے میں حارج نہیں۔ کیونکہ عیسٰی علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی ہوئے تھے۔ اور جب وہ نازل ہوں گے تو آپ کے قبلے کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھیں گے۔ گویا کہ وہ آپؐ کی امت کے افراد میں سے ہونگے۔ پس ان کی طرف نہ وحی ہوگی اور نہ وہ نئے احکام قائم کریں گے۔ بلکہ رسول اللہ کے خلیفہ ہوں گے۔''

اس عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عیسٰی مسیح جب آئیں گے تو وہ نبی ہوں گے۔ لیکن شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے۔ پس جہاں کہیں علماء نے یہ لکھا ہے کہ مسیح پر وحی نہیں ہوگی تو اس سے مراد وحی تشریعی ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نئے احکام جاری نہیں کریں گے۔

یہ بحث کہ خاتم النبیین سے کیا مراد ہے۔ اور علماء کے اس قول سے کہ آپ کے بعد

کوئی نبی نہیں ہوگا۔ کس قسم کا نبی مراد ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو جواب سوال نمبر 5۔ اور مولانا مودودی صاحب کے سوال نمبر 5 کے جواب پر تبصرہ۔

چوتھا سوال

کیا ان میں سے ایک یا دونوں قرآن یا سنت کے کسی قانون کو منسوخ کریں گے؟

جواب:۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کے عقیدہ کا سوال ہے وہ قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ کی قائل نہیں ہے اور نہ اس کے نزدیک قرآن مجید یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم منسوخ ہوسکتا ہے اس لئے مسیح موعود کو قرآن مجید یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا چنانچہ بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

''اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کم ہوسکتا ہے۔ جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔''

(ازالہ اوہام ایڈیشن اوّل صفحہ ۱۳۸)

اور بخاری کی حدیث میں مسیح موعودؑ کے متعلق جو یضع الحرب کے الفاظ آئے ہیں ان میں ہمارے نزدیک یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ مسیح موعود کے وقت سیاسی لڑائیاں ہوں گی نہ کہ مذہبی۔ پس دینی جنگ کی شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مسیح موعود جہاد سیفی کے التوا کا اعلان کر دیں گے جیسا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلان کیا:۔

''تلوار کے جہاد کی شرائط کے نہ پائے جانے کے باعث موجودہ ایام میں تلوار کا جہاد نہیں رہا۔''

اس کے آگے فرماتے ہیں:۔

'' ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم کافروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک

کریں جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔اور جب تک وہ ہم پرتلوار نہ اٹھائیں ہم بھی اس وقت تک اُن پرتلوار نہ اٹھائیں۔''

(ترجمہ ملخص از عربی عبارت حقیقۃ المہدی صفحہ۱۹)

مخالفین احمدیت نے اس اعلان پر ناحق یہ شور مچایا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جہاد کو منسوخ کر دیا ہے۔حالانکہ آپ نے جو اعلان کیا وہ شریعت اسلامی کے عین مطابق تھا۔اور ہم یقین رکھتے ہیں۔کہ جو کوئی شریعت اسلامیہ کا بغور مطالعہ کرے گا۔اس پر آخرکار حضرت بانی جماعت کے نظریہ کی صداقت کھل جائے گی۔ڈاکٹر اقبال نے بھی اپنی بعض تحریرات میں حضرت بانی پر منسوخی جہاد کا الزام لگایا تھا۔لیکن آخرکار انہیں حضرت بانی جماعت احمدیہ کے نظریہ کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑا۔دسمبر 1936ء میں ایک معترض کا جواب دیتے ہوئے لکھا:۔

'' قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دوصورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ مسلمانوں پرظلم کیا جائے اوران کوگھروں سے نکالا جائے مسلمانوں کوتلوار اٹھانے کی اجازت ہے(نہ حکم) دوسری صورت میں جس میں جہاد کا حکم ہے 490/9 میں بیان ہوئی ہے۔ (وہ آیت) وان طائفتان من المومنین اقتتلوا الایه ہے یعنی جب مومنوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔اگرایک فریق ان میں سے مصالحت کمیٹی کا فیصلہ نہ مانے تو باقی سب مومن اس سے جنگ کریں۔ناقل''

...... جنگ کی مذکورہ بالا دوصورتوں کے سوائے میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔علیٰ ہذا القیاس۔دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔''

(اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال صفحہ۲۵۳،۲۵۴)

حضرت بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

’’قرآن شریف صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں۔ اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں۔ اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔‘‘

(نور الحق حصّہ اول صفحہ ۴۵)

بہر حال حضرت بانی جماعت احمدیہ نے حکم جہاد کو منسوخ نہیں کیا۔ اور جہاں تک غیر احمدی علماء کا سوال ہے۔ وہ جیسے کہ پہلے علماء نے لکھا ہے۔ قرآن مجید اور سنت میں نسخ کے قائل ہیں۔ پھر نسخ کے قائلین نے اپنے علم و فہم کے مطابق قرآن مجید کی منسوخ آیات کے تعین کے بارہ میں اختلاف کیا ہے اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور کتاب ’’ **الناسخ والمنسوخ فی القران الحکیم** ‘‘ ہے۔ جو ابوجعفر محمدؒ بن احمدؒ بن اسماعیل الصفّار المصری (وفات ۳۳۸ھ) نے لکھی ہے اور وہ ابوجعفر النحاس کے نام سے مشہور ہیں۔

اور ایک اور کتاب ’’ **الموجز فی الناسخ والمنسوخ** ‘‘ ہے جو حافظ المظفر بن الحسن بن زید بن علی خزیمہ الفارسی کی ہے۔

(الف) ابوجعفر النحاس نے نسخ کے متعلق علماء کے پانچ قول لکھے ہیں:۔

(۱) قرآن یعنی ایک قرآنی آیت دوسری قرآنی آیت کو اور سنت کو منسوخ کرتی ہے۔ یہ کوفی علماء کا قول ہے۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قران قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔ لیکن سنت قرآن کو منسوخ نہیں کرتی۔

(۳) علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ سنت قرآن اور سنت دونوں کو منسوخ کر سکتی ہے۔
(۴) ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ سنت سنت کو منسوخ کرتی ہے اور قرآن سنت کو منسوخ نہیں کرتا۔
(۵) محمدؒ بن شجاع نے کہا ہے کہ جب احکام ایک دوسرے کے متقابل ہوں تو میں ان میں سے ایک کو لے کر دوسرے حکم کے خلاف فیصلہ نہیں دوں گا۔
(کتاب الناسخ والمنسوخ صفحہ ۵، ۶ مطبوعہ مصر)

پھر امام ابوجعفر النحاس نے قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے منسوخ آیات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں سے 29 آیتوں کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔
(کتاب الناسخ والمنسوخ صفحہ ۸۲)

اور ابن خزیمہ نے اپنی کتاب موجز میں 246 آئتیں منسوخ اور 77 آئتیں ناسخ قرار دی ہیں۔
(کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۴)

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں لکھا ہے۔ کہ بعض کے نزدیک قرآن کریم میں پانچ سو آیات منسوخ ہیں۔ اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اتقان شیخ ابن العربی کی تحریر کے بموجب بیس آئتیں منسوخ لکھی ہیں۔ اور ان بیس آیات کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صرف پانچ آئتیں منسوخ ہیں۔
(الفوز الکبیر اصول التفسیر صفحہ ۱۶ مطبوعہ علمی لاہور)

(ب) عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ تو وہ جزیہ لینا منسوخ کر دیں گے۔ اور لوگوں کے سامنے سوائے اسلام لانے یا قتل کے اور کوئی صورت پیش نہیں کریں گے۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں:۔

" واما قو له صلی اللہ علیه وسلم یضع الجزیة والصواب فی معناه انهٗ لایقبلها ولا یقبل من الکفار الاالاسلام ومن بزل منهم الجزیة لم یکف عنه بهابل لا یقبل الاالاسلام اوالقتل هکذاقال الامام ابوسلیمان الخطابی وغیره من العلماء.......فعلی هذا قدیقال

هذاخلاف ماھوحکم الشرع الیوم فان الکتابی اذابذل الجزیة وجب قبولھا ولم یجزقتلهٗ ولا اکرٰھه علی الاسلام وجوابه ان ھذالحکم لیس مستمراً اِلی یوم القیامة بل ھومقیدماقبل نزول عیسٰی علیه السلام وقد اخبر نا النبی صلی اللّٰہعلیه وسلم فی ھذا الاحادیث الصحیحة بنسخه ولیس عیسٰی صلی اللّٰہعلیه وسلم ھوالناسخ بل نبینا صلے اللّٰہعلیه وسلم ھوالمبین للنسخ.‘‘

(شرح النووی مع صحیح مسلم جلداول صفحہ۸۷مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ حضرت عیسیٰ جزیہ کوموقوف کردیں گے۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ وہ جزیہ کو قبول نہیں کریں گے اور کفار سے صرف ان کا اسلام لانا قبول کریں گے۔ اوران میں سے اپنے آپ کو جو جزیہ دے کر چھڑانا چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ مسیح موعود علیہ السلام ان کے صرف اسلام لانے کو ہی قبول کریں گے۔ اور اگر کوئی اسلام نہ لائے گا تو اسے قتل کردیں گے۔ امام ابوسلیمان الخطابی وغیرہ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ’’یضع الجزیة‘‘ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ یہ امر موجودہ شرع اسلامی کے خلاف ہے۔ کیونکہ کتابی (اہل کتاب) جب جزیہ ادا کرے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اس کا قتل ناجائز ہے۔ اوراسے اسلام لانے پر مجبور کرنا بھی ناجائز ہے؟

اس سوال کا یہ جواب ہے کہ جزیہ لینے کا حکم قیامت تک کے لیے نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ کے نزول تک ہے۔ اوراحادیث صحیحہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے منسوخ ہونے کی خبر دیدی ہے۔ اس لئے حضرت عیسےٰ خوداس حکم کے ناسخ نہیں۔ کیونکہ خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کا منسوخ ہونا بیان قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔مندرجہ بالاحوالہ میں حضرت مسیح موعود کیلئے صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۲) نواب صدیق حسن خاں صاحب بحوالہ فتوحات مکیہ لکھتے ہیں:۔’’جزیہ لینا

موقوف کر دیں گے۔ خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلائیں گے۔ جو نہ مانے گا مارا جائے گا۔ جو ان سے جھگڑے گا وہ کامیاب نہ ہوگا'۔

(اقتراب اساعۃ ۹۴)

(ج)علماء کے مزکورہ بالا عقیدہ سے ایک تو قرآن مجید کی آیت ''حتی **یعطوا الجزیه عن یدٍ** '' (توبہ رکوع ۴) کا منسوخ ہوجانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اہل کتاب کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان سے جنگ صرف اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ جزیہ دینا اختیار نہ کریں۔ اور جب وہ جزیہ دینا مان لیں تو ان سے جنگ بند کر دی جائے۔ لیکن غیر احمدی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کفار سے سوائے اسلام کے کوئی اور چیز قبول نہیں کریں گے۔ اگر کوئی اسلام نہیں لائے گا تو اسے قتل کیا جائے گا۔

(۲) نیز اس عقیدہ سے آیات **لا اکراہ فی الدین** (بقرہ رکوع ۳۴) کو بھی اس زمانہ میں منسوخ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ مذکورہ بالا عقیدہ کی رو سے اسلام میں اکراہ لازم آتا ہے۔

(۳) نیز آیت **قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤ من ومن شاء فلیکفر** (کہف رکوع ۴) کا بھی نسخ لازم آئے گا۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ تو کہہ دے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے پس جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔ یعنی ہم کسی کو اس کے ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ اور اسی طرح آیت **لکم دینکم ولیَ دین** کہ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔ بھی اس عقیدہ سے منسوخ ہو جائے گی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے عقیدہ کی رو سے تو مسیح موعود یا مہدی کو قرآن مجید یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن غیر احمدی علماء کے عقیدہ کے مطابق ان کو بعض قرآنی ونبوی احکام کے منسوخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے چوتھے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے۔

''قرآن وسنت کے کسی حکم کو منسوخ کرنا یا کسی حکم میں ردو بدل کرنا عیسٰی بن مریم اور مہدی دونوں کے اختیارات سے قطعاً خارج ہے۔''

چونکہ مولانا مودودی صاحب کا یہ جواب ہمارے جواب کے مطابق ہے اس لئے اس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے **یضع الجزیة** کی جو وجہ اپنے جواب میں بیان کی ہے اس کے مخالف ہم مستند علماء کے اقوال اپنے جواب میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

پانچواں سوال

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو کس طریق پر وحی آتی تھی؟ اور کیا حضرت جبرئیل مرئی صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے؟

جواب:۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انا اوحینا الیک کما اوحینا الٰی نوحٍ والنبیّین من بعدہٖ** (النساء رکوع ۱۳) کہ اے رسول ہم نے تیری طرف وحی کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کو وحی کی۔

وحی کے تین طریق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

" وَمَا کان لبشر ان یکلمہٗ اللہ اِلّاوحیاً اَومن وراء حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنہٖ مَایشاء انّہٗ علّی حکیم" (الشوریٰ رکوع ۵)

کہ خدا تعالیٰ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا۔ مگر وحی کے ذریعہ سے۔ یا پردہ کے پیچھے

سے یا وہ بھیجتا ہے فرشتہ پیغامبر جو وحی کرتا ہے خدا کے اذن سے جو خدا چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں وحی کے مندرجہ ذیل تین طریق بیان ہوئے ہیں۔

(۱) وحی

(۲) پردے کے پیچھے سے۔ (من وراءِ حجاب)

(۳) رسول یعنی فرشتہ کے ذریعہ۔

پہلی صورت جس کا نام وحی رکھا ہے وہ اپنے لغوی معنیٰ کے لحاظ سے کئی صورتوں پر مشتمل ہے۔ (۱) اشارہ (۲) لکھی ہوئی چیز (۳) الہام (۴) رویاء (۵) پوشیدہ طور پر کسی چیز کے متعلق اطلاع دینا۔ اور مخفی کلام وحی کے یہ معنےٰ لسان العرب میں زیر لفظ وحی لکھے ہیں۔ اور ابن حجر العسقلانی نے بھی صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں ذکر کئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیسے ہوتی تھی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث ابن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ " کیف یا تیک الوحی"، کہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

(۱) کہ کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی کی قسم سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ جب مجھ سے یہ حالت وحی منقطع ہو جاتی ہے۔ تو وہ بات مجھے یاد ہوتی ہے جو (فرشتہ نے) کہی ہوتی ہے۔"

(۲) اور کبھی فرشتہ میرے لئے انسان کی شکل میں متمثل ہو کر مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو جو کچھ وہ مجھے کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہ ام المومنین فرماتی ہیں:۔

مَیں نے دیکھا ہے جب کبھی آپؐ پر شدت سرما میں کبھی وحی نازل ہوتی تھی۔ تو حالت وحی کے زائل ہونے کے بعد آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

(۳) پھر امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

"اوّلُ مابُدی بہِ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلّم من الوحی الرؤیا الصالحہ فی النوم."

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویاء صالحہ سے ہوئی۔ آپ نیند میں جو رویاء دیکھتے وہ صبح روشن کی طرح پوری ہو جاتی۔ پھر آپؐ نے غار حراء میں کئی کئی روز تک متواتر عبادت شروع کی۔ آخر آپ کے پاس فرشتہ آیا۔ اور کہا کہ پڑھو۔ تو میں نے کہا میں قاری نہیں ہوں۔

آپ نے فرمایا پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا۔ اور سینہ سے لگا کر زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے انتہائی تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے کہا میں قاری نہیں ہوں۔ تو پھر اس نے پہلے کی طرح زور سے دبایا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اسی طرح تیسری مرتبہ کیا۔ پھر **اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق. اقرأوربک الاکرم** یہ آیات پڑھائیں۔

(۴) اس کے بعد امام بخاری جابر بن عبداللہ الانصاری کی یہ روایت درج کرتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دن تک وحی نازل نہ ہوئی تو آپ سے یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

" بینما انا امشی اذسمعت صوتاً من السماء فرفعت بصری فاذاذٰلک الذی جاء فی بحراء جالس علیٰ کرسی بین السماء والارض فرعبت منہ فرجعت فقلت زمّلونی زمّلونی فانزل اللہ تعالیٰ یَاایھا المدثّرقم فانذرو ربک فکبّروثیابک فطھّر والرّجزفاھجر."

اس اثناء میں مَیں جارہا تھا۔ کہ مجھے آسمان سے آواز سنائی دی۔ مَیں نے اپنی آنکھ اٹھائی۔ تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آتا تھا۔ وہ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھ پر اتنا رعب طاری ہوا۔ کہ مَیں گھر کو واپس

آ گیا۔ اور کہا کہ مجھے چادر اڑہا دو۔ تو پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

"یا ایها المدثر الی فاهجر"

(بخاری جلد اوّل مطبوعہ اصح المطابع دہلی صفحہ ۳)

ان احادیث سے قدرے اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیسے نازل ہوتی تھی۔

امام ابن القیّم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زادالمعاد میں احادیث کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ وحی کی سات صورتیں لکھی ہیں:۔

پہلی صورت:۔ رویاء صادقہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا مبداء جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ رویاء صالحہ ہی تھیں۔ آپؐ جو رویاء دیکھتے وہ روشن طریق سے پوری ہو جاتی۔

دوسری صورت:۔ فرشتہ جسے آپ دیکھتے نہیں تھے۔ آپ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"ان روح القدس نفث فی روعی انّهٗ لن تموت نفس حتّٰی تستکمل رزقها."

کہ روح القدس نے میرے دل پر القاء کیا کہ کوئی جان اس وقت تک نہیں مرتی جب تک کہ وہ اپنے رزق کو پورا نہ کر لے۔

تیسری صورت:۔ کہ فرشتہ انسانی صورت میں متمثّل ہو کر آپ سے بات کرتا تھا۔ اور جو وہ کہتا تھا آپ اسے یاد کر لیتے تھے۔ اور اس مرتبہ میں وہ فرشتہ صحابہ کو بھی کبھی کبھی نظر آ جاتا تھا۔

چوتھی صورت:۔ کہ آپ کے پاس وحی صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی آواز) کی مانند آتی تھی۔ اور یہ صورت آپ پر وحی کی سب سے زیادہ گراں یا سخت ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا تھا۔ اور اگر آپ سواری پر ہوتے تو سواری بیٹھ جاتی تھی۔ اور جب حالت وحی کی جاتی رہتی۔ تو جو بات فرشتہ نے بتائی ہوتی وہ آپ کو یاد رہتی تھی۔

(صلصلة الجرس سے مراد یہ ہے کہ ٹن ٹن کی طرح کی مسلسل آواز آتی۔ اور اس کے معنی مسلسل آواز کے بھی کئے گئے ہیں۔ جو پہلے سمجھ میں نہیں آتی۔ ناقل)

پانچویں صورت:۔ آپؐ فرشتہ کو اصل صورت پر دیکھتے۔ پھر جو اللہ تعالیٰ چاہتا۔ وہ فرشتہ آپ کی طرف وحی کرتا۔ اور صرف دو دفعہ آپ کے ساتھ ایسا ہوُا۔

چھٹی صورت وحی کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ کو نمازوں کی فرضیت وغیرہ کے متعلق کی (اور معراج بھی ایک لطیف کشف تھا۔ ناقل)

ساتویں صورت:۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر واسطہ فرشتہ کے آپ سے کلام کیا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔

(زادالمعاد مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۱۸)

وحی کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور معنوی رنگ رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت وہی شخص صحیح طور پر بیان کرسکتا ہے جس پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کی صورتیں جو مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہیں ان کی تشریح مختلف رنگوں میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن ان کی اصل کیفیت صاحبِ حال شخص ہی بیان کرسکتا ہے۔ جس پر وہ کیفیت وارد ہوئی ہو۔ چونکہ حضرت بانی جماعت احمدیہ اس میں صاحبِ تجربہ تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الہام اور وحی کے نزول کی صورتوں کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے وہ یہاں درج کر دیا جائے۔

> **صورت اوّل:۔** ’’جب خدا تعالیٰ کوئی امرِ غیبی اپنے بندے پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تو کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے بعض کلمات زبان پر کچھ تھوڑی غنودگی کی حالت میں جاری کر دیتا ہے۔ اور جو کلمات سختی اور گرانی سے جاری ہوتے ہیں۔ وہ ایسی پُر شدت اور رعب کی صورت میں زبان پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسے گڑے یعنی اولے۔ یکبارگی ایک سخت زمین پر گرتے ہیں۔ یا جیسے تیز اور پُر زور رفتار میں گھوڑے کا سم زمین پر پڑتا ہے۔ اس الہام میں ایک عجیب سرعت اور شدت اور ہیبت ہوتی ہے۔ جس سے تمام بدن متاثر ہوجاتا ہے۔ اور زبان ایسی تیزی اور بارعب

الفاظ میں خود بخود دوڑتی جاتی ہے کہ گویا وہ اپنی زبان ہی نہیں۔ اور ساتھ اس کے جو ایک تھوڑی سی غنودگی اور ربودگی ہوتی ہے وہ الہام کے تمام ہونے کے بعد فی الفور دُور ہوجاتی ہے۔ اور جب تک کلمات الہام تمام نہ ہوں۔ تب تک انسان ایک میّت کی طرح بےحس وحرکت پڑا سوتا ہے۔''

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا صفحہ ۲۲۳، صفحہ ۲۲۴)

صورت دوم:۔ ''الہام کی ۔جس کا میں باعتبار کثرت عجائبات کے کامل الہام نام رکھتا ہوں یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ بندے کو کسی امر غیبی پر بعد دعا اس بندے کے یا خود بخود مطلع کرنا چاہتا ہے تو ایک دفعہ ایک بے ہوشی اور ربودگی اس پر طاری کر دیتا ہے۔ جس سے وہ بالکل اپنی ہستی سے کھویا جاتا ہے اور اس بےخودی اور ربودگی اور بے ہوشی میں ایسا ڈوبتا ہے جیسے کوئی پانی میں غوطہ مارتا ہے اور نیچے پانی کے چلا جاتا ہے۔

غرض جب بندہ اس حالت ربودگی سے جو کہ غوطہ سے بہت ہی مشابہ ہے باہر آتا ہے۔ تو اپنے اندر میں کچھ ایسا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسے ایک گونج پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جب وہ گونج کچھ فرو ہوتی ہے تو ناگہاں اس کو اپنے اندر سے ایک موزوں اور لطیف اور لذیذ کلام محسوس ہوجاتی ہے۔ اور یہ غوطہ ربودگی کا ایک نہایت عجیب امر ہے۔ جس کے عجائبات بیان کرنے کے لئے الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ یہی حالت ہے جس سے ایک دریا معرفت کا انسان پر کھل جاتا ہے۔ کیونکہ جب بار بار دعا کرنے کے وقت خداوند تعالیٰ اس حالت غوطہ اور ربودگی کو اپنے بندہ پر وارد کر کے اس کی ہر ایک دعاء کا اس کو ایک لطیف اور لذیز کلام میں جواب دیتا ہے۔ اور ہر ایک استفسار کی حالت میں وہ حقائق اس پر کھولتا ہے۔ جن کا کھلنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ تو یہ امر اس کے لئے موجب مزید معرفت اور باعث عرفان کامل ہوجاتا ہے۔ اور جب بندہ عرض حال کے بعد

خداوند کریم سے جواب پاتا ہے۔ اسی طرح کے جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی بات کو جواب دیتا ہے۔ اور جواب ایسا ہوتا ہے کہ نہایت فصیح اور لطیف الفاظ میں۔ بلکہ کبھی کسی ایسی زبان میں ہوتا ہے کہ جس سے وہ بندہ ناآشنا محض ہے۔ اور کبھی امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے جو مخلوق کی طاقتوں سے باہر ہیں۔''

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا صفحہ ۲۲۶)

صورت سوم:۔ الہام کی یہ ہے کہ نرم اور آہستہ طور پر انسان کے قلب پر القاء ہوتا ہے۔ یعنی ایک مرتبہ دل پر کوئی کلمہ گزر جاتا ہے۔ جس میں وہ عجائبات بہ تمام وکمال نہیں ہوتے کہ جو دوسری صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ اس میں ربودگی اور غنودگی بھی شرط نہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ہوجاتا ہے۔ اور اس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا غیب سے کسی نے وہ کلمہ دل میں پھونک دیا یا پھینک دیا ہے۔ انسان کسی قدر بیداری میں ایک استغراق اور محویّت کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی بالکل بیدار ہوتا ہے کہ یکدفعہ دیکھتا ہے کہ ایک نوروالا کلام اس کے سینہ میں داخل ہے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاً وہ کلام دل میں داخل ہوتے ہی اپنی پُر زور روشنی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور انسان متنبہ ہوجاتا ہے کہ خدا کی طرف سے یہ القاء ہے۔ اور صاحب ذوق کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تنفّسی ہوا اندر جاتی ہے اور تمام دل وغیرہ اعضاء کو راحت پہنچاتی ہے۔ ویسا ہی وہ الہام دل کو تسلّی اور سکینت اور آرام بخشتا ہے۔ اور طبیعت مضطرب پر اس کی خوشی اور خنکی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک باریک بھید ہے جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہے مگر عارف اور صاحب معرفت لوگ جن کو حضرت واہب حقیقی نے اسرار ربانی میں صاحب تجربہ کر دیا ہے وہ اس کو خوب سمجھتے اور جانتے ہیں۔''

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا صفحہ ۴۴۷)

صورت چہارم:۔ ''الہام کی یہ ہے کہ رویاء صادقہ میں کوئی امر خدا تعالیٰ

کی طرف سے منکشف ہوجاتا ہے۔ یا کبھی کوئی فرشتہ انسان کی شکل میں متشکل ہوکر کوئی غیبی بات بتلاتا ہے یا کوئی تحریر کاغذ یا پتھر وغیرہ پر مشہود ہوجاتی ہے۔ جس سے کچھ اسرار غیبیہ ظاہر ہوتے ہیں۔ وغیر مضامین الصور''

(براہین احمدیہ حاشیہ نمبر۲ صفحہ ۲۴۸)

صورت پنجم: '' الہام کی وہ ہے جس کا انسان کے قلب سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ ایک خارج سے آواز آتی ہے اور یہ آواز ایسے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ایک پردے کے پیچھے سے کوئی آدمی بولتا ہے۔ مگر یہ آواز نہایت لذیذ اور شگفتہ کسی قدر سرعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور دل کو اس سے ایک لذّت پہنچتی ہے۔ انسان کسی قدر استغراق میں ہوتا ہے کہ ایک دفعہ یہ آواز آجاتی ہے۔ اور آواز سن کر وہ حیران رہ جاتا ہے کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ اور کس نے مجھ سے کلام کیا۔ اور حیرت زدہ کی طرح آگے پیچھے دیکھتا ہے پھر سمجھ جاتا ہے کہ کسی فرشتہ نے یہ آواز دی اور یہ آواز خارجی اکثر اس حالت میں بطور بشارت ہوتی ہے۔ کہ جب انسان کسی معاملہ میں نہایت متفکر اور مغموم ہوتا ہے۔ یا کسی بدخبری کے سننے سے جو اصل میں محض دروغ تھی کوئی سخت اندیشہ اس کو دامن گیر ہوجاتا ہے۔ مگر صورت دوم کی طرح اس میں مکرّر دعاؤں پر اس آواز کا صادر ہونا مشہود نہیں ہؤا۔ بلکہ ایک ہی دفعہ اس وقت کہ جب خدائے تعالیٰ چاہتا ہے۔ کوئی فرشتہ غیب سے ناگہانی طور پر آواز کرتا ہے۔ برخلاف صورت دوم کے۔ کہ اس میں اکثر کامل دعاؤں پر جواب مشہود ہؤا ہے۔ اور خواہ سو مرتبہ دعا اور سوال کرنے کا اتفاق ہؤا۔ اس کا جواب سو مرتبہ ہی حضرت فیاض مطلق کی طرف سے صادر ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ متواتر تجربہ خود اس خاکسار کا اس بات کا شاہد ہے۔''

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۸، صفحہ ۲۵۹)

(نوٹ) (لفظ الہام یہاں بمعنیٰ وحی استعمال کیا گیا ہے۔ اور حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں لکھا ہے۔ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہوگئی ہے کہ وہ ہمیشہ وحی کو خواہ وحی رسالت ہو۔ یا کسی دوسرے مؤمن پر وحی اعلام نازل ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(براہین احمدیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵)

وحی کے مراتب

اگرچہ مکالمہ الٰہیہ اور وحی کے وہی طریقے ہیں جو بحوالہ قرآنی آیت اُوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وحی کے مراتب مختلف ہیں۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں۔

''سو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم ناقل) کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطاء ہوا اور اعلیٰ اور ارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ عالی مقام ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔''

(توضیح مرام صفحہ ۲۶-۲۷)

پھر قرآن کریم کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد کوئی اور وحی بھی ہو۔ اس لئے کہ وحی رسانی میں خدا کی تجلّیات ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی تجلّی جیسا کہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئی ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ پیچھے ہوگی۔''

(اردو ترجمہ از عربی عبارت الہدیٰ والتبصرہ لمن یری صفحہ ۳۲)

(شق ب) رؤیت جبریل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وحی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"احیا نا یتمثل لی الملک رجلا"

(بخاری جلد اوّل صفحہ۲)

بعض دفعہ فرشتہ تمثیلی طور پر انسانی شکل میں ظاہر ہو کر مجھ سے کلام کرتا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت جبریل اپنی اصلی صورت میں نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ تمثیلی رنگ میں ظاہر ہوتے تھے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لکھا ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ اور آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:" **یاعائشہؓ ھذا جبریل وھو یقرء علیک السلام قالت قلت وعلیہ السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ تری مالانری.**"

(ترمذی جلد ثانی باب فضل عائشہؓ صفحہ۳۲۱ مطبوعہ مصر)

اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھتے۔ یعنی جبریل آپؐ کو نظر آتے ہیں ہمیں نہیں آتے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت جبریل مادی آنکھ سے نظر نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ روحانی اور کشفی نگاہ سے نظر آتے تھے۔ اور اگر ظاہری یعنی مادی شکل میں حضرت جبریل آیا کرتے تو حضرت عائشہ بھی انہیں دیکھ سکتی تھیں۔ مگر آپ فرماتی ہیں کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔

صرف ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریلؑ انسانی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور چند صحابہؓ جو آپؐ کے پاس بیٹھے تھے انہیں بھی دکھائی دیئے۔ لیکن ہمارے نزدیک غالبًا یہ بھی کشفی نظارہ تھا۔ جس میں صحابہؓ کو بھی شامل کر لیا گیا اور بعض وقت کشفی نظارہ میں دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کمال حکمت سے شامل کر لیتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت جبریل کا نزول تمثلی صورت

میں ہوتا تھا۔ ایک روایت کی بناء پر جو احاد سے ہے اور ظنی مرتبہ رکھتی ہے اس حقیقت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضرت جبریل اور دوسرے فرشتوں کے متعلق قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک معلوم مقام ہے۔ جہاں سے وہ ادھر ادھر نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ آیت **وَمامنا الالهٗ مقام معلوم** (الصّٰفات رکوع ۵) سے ظاہر ہے۔

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ فرماتے ہیں:۔

> محققین اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں۔اور یہ خیال بدبداہت باطل بھی ہے۔کیونکہ اگر یہی ضروری تھا کہ ملائک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لئے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اترا کرتے۔ تو پھر ان میں سے کوئی کام انجام پزیر ہونا بغایت درجہ محال تھا۔مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزار ہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد وا مصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلے پر رہتے ہیں۔..............کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس سے کم عرصہ میں تمام جہاں گھوم کر چلا آوے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصل مقامات سے جو ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔''**وَمَا منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون**''(الصّٰافات رکوع ۵)

پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے درحقیقت یہ(ملائکہ) عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے۔''

(توضیح مرام صفحہ۳۱،صفحہ۳۲)

پھر لکھتے ہیں:۔

''شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اسی مذہب کی تصدیق اور تصویب کی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آسمان سے اپنے اصل وجود کے ساتھ نہیں اترتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ آسمان پر اپنے قرارگاہ میں ثابت اور قائم رہتا ہے۔ ہاں اس کی تمثلی صورت بقدرت حق تعالےٰ نمودار ہو جاتی ہے اور اس کی تبلیغ وحی کرتی ہے۔''

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۱۱۹)

جبرئیلؑ کا وحی سے تعلق

''پھر آپ ظاہری نظام عالم سے اس امر کی مثالیں پیش کر کے کہ خدا تعالیٰ کے تمام ارادے وسائط سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کی بصارت کے لئے آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہے۔ اور آواز سننے کے لئے ہوا کی ضرورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی وحی میں جو پاک دلوں پر نازل ہوتی ہے جبریل کا تعلق جو شریعت اسلام میں ایک ضروری مسئلہ سمجھا گیا ہے اور قبول کیا گیا ہے یہ تعلق بھی اسی فلسفہ حقہ پر مبنی ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے:۔

کہ حسب قانون قدرت مذکورہ بالا یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے القاء یا ملائکہ وحی کے عطا کرنے کے لئے بھی کوئی مخلوق خدا تعالیٰ کے الہامی اور روحانی ارادہ کو بمنصۂ ظہور لانے کے لئے ایک عضو کی طرح بن کر خدمت بجا لائے جیسا کہ جسمانی ارادوں کے پورا کرنے کے لئے بجا لا رہے ہیں۔ سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جبریل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو بہ تبعیّت حرکت اس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آ جاتا ہے یعنی جب خدا تعالیٰ محبت کرنے والے دل کی طرف محبت کے ساتھ رجوع کرتا ہے........ تو جبریلی نور

خدا تعالیٰ کی کشش اور نفخۂ نورانیہ سے جنبش میں آ جاتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہئے۔ محبّ صادق کے دل میں منقش ہوجاتی ہے۔........ تب یہ قوت خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے۔ اور اس کے عجائبات کے دیکھنے کے لئے آنکھوں کی قائمقام ہوجاتی ہے........ یہ روشنی یا یہ ہوا رحمانی حواس کے لئے محض ایک آسمانی مؤید عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ظاہری آنکھوں کے لئے آفتاب کی روشنی اور ظاہری کانوں کے لئے ہوا کا ذریعہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب یہ باری تعالیٰ کا ارادہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اپنا کلام اپنے کسی ملہم کے دل تک پہنچا دے۔ تو اس کی ایک متکلمانہ حرکت سے معاً جبریلی نور میں القاء کے لئے ایک روشنی کی موج یا ہوا کی موج یا ملہم کی تحریک لسان کے لئے ایک حرارت کی موج پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس تموّج یا اس حرارت سے بلا توقّف وہ کلام ملہم کی آنکھوں کے سامنے لکھا ہوُا دکھائی دیتا ہے۔ یا کانوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے۔ یا زبان پر وہ الہامی الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ اور روحانی حواس اور روحانی روشنی جو قبل از الہام ایک قوت کی طرح ملتی ہے۔ یہ دونوں قوتیں اس لئے عطا کی جاتی ہیں تا قبل از نزول الہام الہام کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوجائے۔''

(توضیح مرام صفحہ ۷۷، ۸۱)

اب اس اقتباس میں حضرت جبریل کے اس تعلق کی کیفیت بتائی گئی ہے جو وحی کے نزول کے وقت اس بندے سے ہوتی ہے جن کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریلؑ انسانی صورت میں متمثل ہوکر نظر آیا کرتے تھے۔

تبصرہ:۔ اس سوال کا جو جواب مولانا صاحب نے دیا ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر تبصرہ کی ضرورت ہو۔

چھٹا سوال

آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم الانبیاء کی جو تشریح اور وضاحت کی ہے، کیا وہ ''مسلم عقیدہ'' کا ہمیشہ ضروری جزو رہی ہے؟

مجلسِ عمل نے جو تشریح خاتم النبیین کی کی ہے۔ وہ مسلم عقیدہ کی کبھی جزو نہیں رہی۔ ان کی تشریح مع جواب درج ذیل ہے:۔

(۱) مجلسِ عمل کہتی ہے، اُمّتِ محمدیہؐ کا ایمان ہے کہ محمد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم خدا تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ ان پر سلسلۂ وحی اور نبوت ختم ہو چکا ہے اور قرآن مجید اللہ کی آخری وحی اور آخری الہام ہے۔

جواب: سوال نمبر 3 میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مسیح موعود نبی ہوں گے اور ان پر وحی بھی نازل ہوگی اور امت محمدیہؐ میں وحی والہام کے جاری رہنے کے متعلق ہم مجلسِ احرار کے بیان اور مجلسِ عمل کے بیان کے جواب میں اقوالِ بزرگان اُمّت بھی ذکر کر چکے ہیں۔ ہاں اگر وحی نبوت سے شرعی وحی اور نبوت مراد ہے تو ہم بھی اس کے انقطاع کے قائل ہیں۔ اور گزشتہ اماموں نے دراصل اسی قسم کی وحی اور نبوت کو منقطع قرار دیا ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ قرآن مجید کے بعد کوئی اور وحی نہیں جس میں شریعت جدیدہ نازل ہو اور اس لحاظ سے وہ بلاشبہ آخری کلام ہے۔

بطور مثال ہم چند لوگوں کے اقوال یہاں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی آیت وما کان لبشرٍ الخ میں وحی کے جو طریق مذکور ہیں اور جن طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

وحی ہوتی تھی۔اُن کی تفصیل بیان کر کے لکھتے ہیں:۔

" وھٰذا کله موجود فی رجال اللهمن الاولیاء والّذی اختص به النّبی من ھٰذادون الولی الوحی بالتشریع"

کہ یہ تمام اقسام وحی کی جوقرآن میں مذکور ہیں اورجن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے، خدا کے بندوں اُولیاء اللہ میں سب پائی جاتی ہیں اور وحی جو نبی سے خاص ہے اور ولی کونہیں ہوتی وہ شریعت والی وحی ہے۔''

(فتوحات مکیّہ جلد۲صفحہ۴۱۶،۴۱۷)

(۲) حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی مکتوبات جلد۲صفحہ۹۹ میں فرماتے ہیں:۔

"اعلم ایهاالاخ الصدّیق ان کلامه سبحانهٗ مع البشر قدیکون مشفاها الخ"

ترجمہ:۔اے محترم بھائی جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا کبھی بالمشافہ ہوتا ہے اور یہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بھی بطور اتباع اور وراثت کے ہوجاتا ہے۔اور جب اس قسم کا کلام کثرت کے ساتھ ہوتو اس کا نام محدّث ہوتا ہے۔جیسا کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور یہ القاء فی الرّوع اور الہام کے علاوہ کلام ہوتا ہے جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے **انما یخاطب بھٰذا الکلام الانسان الکامل** بلکہ اس قسم کے کلام سے انسان کامل کومخاطب کیا جاتا ہے۔

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے، وہی اس امت کے بعض کامل افراد کوبھی ہوتی ہے۔

(۳) امام عبدالوہاب شعرانی بطورسوال وجواب لکھتے ہیں:۔

امام غزالی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ نبی اور ولی پر وحی کے اُترنے میں صرف اِتنا فرق ہے کہ نبی پر وحی بواسطہ فرشتہ ہوتی ہے اور ولی پر بغیر فرشتہ ہوتی ہے۔کیا یہ درست ہے۔اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابنِ عربی نے فتوحات مکیہ کے باب 214 میں لکھا ہے:۔

"والحق اِن الکلام فی الفرق بینهما انّما هوفی کیفیته ماینزل به الملک لافی نزول الملک"

امام غزالی کی یہ بات غلط ہے، کیونکہ دونوں وحیوں میں فرق بلحاظ کیفیت کے ہے اسبات میں جس کو فرشتہ لے کر آتا ہے نہ کہ فرشتہ کے نزول میں۔ پھر لکھا ہے کہ ہم پر الہام کے فرشتہ نے بہت سے علوم نازل کئے۔

پھر وحی البشائر کے متعلق جوامت میں باقی ہے، فرماتے ہیں:۔

" قد یکون وحی البشائر ایضاً بواسطة ملک"

(الیواقیت الجواہر جلد۲ صفحہ ۹۶)

اِسی طرح مولانا روم نے مثنوی میں ایسی وحی کو جاری مانا ہے۔ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصبِ امامت کے صفحہ 31، 32 میں اولیاء سے خدا کے کلام کرنے کو تسلیم کیا ہے اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے سوانح مولانا روم کے صفحہ 81 میں لکھا ہے:۔

''فرقِ مراتب کے لحاظ سے اصطلاح یہ قرار پائی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی کہتے ہیں اور اولیاء کی وحی کو الہام''

(۳) مجلسِ عمل لکھتی ہے:۔''محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت و رسالت کا مدعی ہو یا سلسلۂ وحی کے اجراء کا عقیدہ رکھے وہ کاذب اور دجّال ہے۔''

جواب:۔ وحی کے متعلق ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ بزرگانِ امت ہر زمانہ میں غیر تشریعی وحی کے قائل رہے ہیں۔ کیا وہ سب کاذب اور دجّال تھے؟ کیا مجلس عمل یہ جرأت کر سکتی ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدّد الف ثانی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید اور مولانا روم کو کاذب اور دجّال کہے؟ مزید برآں تیسرے سوال کے جواب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نبی ہوں گے اور اُن پر وحی نازل ہوگی۔

خاتم النبیّین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کیا سمجھے؟

آیت خاتم النبیّین ۵ھ میں بسلسلۂ نکاح حضرت زینب نازل ہوئی۔

(تاریخ الخمیس جلد ا صفحہ ۵۶۴)

اور حضورؐ کے فرزند ارجمند ابراہیم ۸ھ میں پیدا ہوئے اور 10 ربیع الاوّل ۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

(تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

ان کی وفات پر حضورؐ نے فرمایا **لَو عاش ابراهیم لکانَ صِدّیقًا نبیّا**"

(ابنِ ماجہ جلد اوّل صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ مصر)

اگر ابراہیمؑ زندہ رہتے تو وہ ضرور صدیق نبی ہوتے۔ پس آیت خاتم النبیّین کے نزول کے تقریباً پانچ سال بعد حضورؐ کا یہ فرمانا ثابت کرتا ہے کہ حضورؐ نے اس آیت سے نبوّت کو بکلی مسدود نہیں خیال فرمایا۔

اگر حضورؐ خاتم النبیّین کے معنی وہ سمجھتے جو آل مسلم پارٹیز کنونشن لیتی ہے تو اس کے اظہار کے لئے حضورؐ یہ فرماتے، کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو بھی نبی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ہر قسم کی نبوت اب بند ہو چکی ہے۔ لیکن حضورؐ تو فرماتے ہیں کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت **ومن یطع اللّٰہ والرّسول الاٰیة** (النساء رکوع ۹) سے ظاہر ہے کہ اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں میں سے ہوں گے، جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبی صدّیق، شہید اور صالح ہوں گے۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں، الشہاب علی البیضاوی جلد ۷ صفحہ 175 میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

"امّا صحة الحدیث فلا شبهة فیها لانّهٗ رواه ابن ماجة وغیره کماذکره ابن حجر"

کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے، کیونکہ

اس حدیث کو ابنِ ماجہ کے علاوہ اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم خاتم النبیّینؐ سے کیا سمجھے؟

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم صحابہ کو لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علمی مرتبہ اہل اسلام سے مخفی نہیں۔ آپ قرآن مجید اور احادیث کے سمجھنے میں یدِ طولیٰ رکھتی تھیں۔ آپ نے فرمایا:۔

" قولو اخاتم النّبیّین ولا تقولوا لانبیّ بعدهٗ رواه ابن ابی شیبة "

(درمنثور جلد ۵ وتکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت عائشہؓ کے اس قول کے جو بھی معنی کئے جائیں وہ آل پارٹیز کنونشن کی تشریح کے خلاف جاتے ہیں۔

بزرگانِ اُمّت خاتم النبیّینؐ سے کیا سمجھے؟

(۱) شیخ محی الدین ابنِ عربی فرماتے ہیں:۔

وکان من جلمة مافیها تنزیل الشّرائع فختنم اللہ هٰذالتنزیل بشرع محمَّد صلّی اللہ علیه وسلّم فکان خاتم النّبیّین."

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۵۵، ۵۶)

اَور ان چیزوں میں سے جن کی ابتداء اور انتہا ہے شریعتوں کا اُتارنا بھی تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے شریعت کے اُتارنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ ختم کر دیا۔ پس آپؐ خاتم النبیّین ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ ابنِ عربیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے سے مراد یہ لیتے ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی اور عام نبوت کے متعلق فرماتے ہیں:۔ " **لیست النّبوة بامرذائد علی الاخبار الالٰهی** (فتوحات مکیہ جلد ۲

صفحہ۷ا۴) کہ نبوت ان اخبار الٰہیہ کا ہی نام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبروں کے ملنے کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"فَاِنَّهٗ لَيَنْتَحِيْلُ اَنْ يَنْقِطَعَ خَبَرُاللهِ وَاَخْبَارُهٗ مِنَ الْعَالَمِ اِذْ لَوِنْقَطَعَ لَمْ يَبْقَ لِلعَالَمِ غِذَاء يَتغذّىٰ بِهٖ فِیْ بَقَاء وُجُوْدِهٖ"

(فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ۱۰۰)

یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینا اور دنیا سے اس کی اخبار غیبیہ کا وجود منقطع ہو جائے، کیونکہ اگر یہ امر منقطع ہو جائے تو عالم کے لئے کوئی روحانی غذا باقی نہ رہے۔ جس سے وہ اپنے وجود روحانی کو باقی رکھ سکے۔

پس خاتم النّبیّین کی یہ تشریح آل مسلم پارٹیز کنونشن سے مختلف ہے۔

(۲) حضرت امام عبد الکرم الجیلانی اپنی کتاب "الانسان الکامل" میں فرماتے ہیں:۔

"فانقطع حکم نبوّۃ التّشریع بعدہٗ وکان محمّدٌ صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم النّبیّین لانّہٗ جاء بالکمال ولم‌یجیٔ احدٌ بذالک"

(الانسان الکامل جلد اوّل صفحہ۹۸ مطبوعہ مصر)

کو تشریعی نبوّت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں، کیونکہ آپؐ کامل شریعت لائے اور دوسرا کوئی ایسا کمال نہ لایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ پر ہی الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت اُتری اور کسی پر نہ اُتری۔ پھر آپ نبی کی شرعی نبی اور نبی ولی کی دو قسمیں بتا کر اور یہ ذکر کر کے کہ انبیاء الاولیاء امت میں ہوں گے۔ فرماتے ہیں:۔

" کثیرٌ من الانبیاء کانت نبوتہٗ نبوّۃ وا ٰیۃٍ کالخضر فی بعض الاقوال وعیسٰی اِذانزل الی الدّنیا فانّہٗ لایکون لہٗ نبوّۃ التشریع وکغیرہ من انبیاء بنی اسرائیل"

(الانسان الکامل جلد۲ صفحہ۱۰۹)

بہت سے سابق انبیاء کی نبوت ولائت ہی تھی، جیسے بعض اقوال میں حضرت خضرؑ

کے متعلق لکھا ہے اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں ظاہر ہوں گے، اس وقت آپ کی نبوّت تشریعی نہیں ہوگی اور اس طرح ان کے علاوہ دیگر انبیاء بنی اسرائیل بھی ہیں۔

اور نبی ولی کے مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

" کلّ نبی ولایۃٍ افضل من الولی مطلقاً ومن ثمّ قیل بدایۃ النّبیّ نہایۃ الولّی۔"

یعنی ہر نبی ولائت ولی سے مطلقاً افضل ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نبی کی ابتدا ولی کے انتہائی مقام سے شروع ہوتی ہے۔

کنونشن تو ہر قسم کی نبوت کو بند قرار دیتی ہے، لیکن امام عبدالکریم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نبوت ولایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری مانتے ہیں۔

(۳) حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"پس حصولِ کمالاتِ نبوّت مرتابعاں را بطریق تبعیت ووراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل علیہم الصّلوٰۃ والتحیّات منافی خاتمیت اونیست ولا تکن من الممترین۔"

(مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب نمبر ۳۰۱، جلد اوّل صفحہ ۴۳۲ مطبوعہ نول کشور، کانپور)

یعنی خاتم الرسلؐ کی بعثت کے بعد کمالات نبوت کا حصول تابعین کے لئے بطریق وراثت آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں، لہٰذا اے مخاطب تو شک کرنے والوں سے نہ بن۔

(۴) حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں:۔

"ہیچ کمال غیر از نبوّت بالاصالت ختم نگردیدہ ودر مبداء فیاض بخل ودریغ ممکن نیست۔" بالاصالت کے ختم نہیں ہؤا اور مبداء فیاض سے بخل ممکن نہیں۔"

(۵) مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

فکر کن وراہِ نیکو خدمتے
تا نبوّت یابی اندر اُمتے

(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۴۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:۔

باز گشتہ از دمِ او ہر دو باب
در دو عالم دعوتِ او مستجاب
بہر ایں خاتم شداست او کہ بجود
مثل اُو نے بُود و نے خواہند بود
چونکہ درصنعت بر واستاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت برتو است

(الہام منظوم دفتر ششم صفحہ ۱۸، ۱۹، طبوعہ ۱۹۳۱ء فیروز پرنٹنگ پریس۔ لاہور)

یعنی روحانی فیض کی سخاوت کی وجہ سے آپ خاتم ہوئے، نہ آپ کی مثل پہلے کوئی کامل انسان اور کامل سخی روحانیت کا فیضان پہنچانے میں ہؤا اور نہ آئندہ ہوگا۔

(۶) امام ملاّ علی قاری حنفیوں کے ایک بلند پایہ امام گزرے ہیں۔ اپنی کتاب موضوعاتِ کبیر صفحہ 59 میں **لوعاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً** پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہوجاتے۔ اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہوجاتے تو وہ دونوں آپ کے تابعین میں سے ہوتے، جیسے کہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت خضرؑ اور الیاسؑ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

''فلاینا قض قوله تعالیٰ خاتم النبیّین اذالمعنیٰ انّهٗ لایاتی نبیٌ بعده ینسخ ملّتهٗ ولم یکن من اُمّتهٖ''

پس ان کا یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابراہیمؑ کا نبی ہونا اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیّین کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ خاتم النبیّین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپؐ کی اُمّت سے نہ ہو اور آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایسے نبی کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متّبع اور اُمّتی ہو آپؐ کے بعد آنا یا پیدا ہونا خاتم النبیّین کے منافی اور مناقض نہیں ہے۔

خاتم النبیّین کی یہ تشریح اور توضیح جو حضرت امام ملاّ علی قاری نے کی ہے، آل پارٹیز

کنونشن کی تشریح وتوضیح سے بالکل مختلف ہے۔

(۷) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:۔

''بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔''

(تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

(۸) اسی طرح مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی اپنی کتاب دافع الوسواس فی اثر ابنِ عباس میں فرماتے ہیں:۔

''بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں۔ البتّہ صاحبِ شرع جدید ہونا ممتنع ہے۔''

(دافع الوسواس فی اثر ابنِ عباس صفحہ ۱۶ جدید ایڈیشن)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم النبیّین کی جو تشریح وتوضیح پیش کی ہے، ہر زمانہ کے علماء ربّانی اس کے خلاف فرماتے رہے ہیں۔ اگر کنونشن والی تشریح مسلم عقیدہ کا لازمی جزو ہوتی تو ان اکابرینِ ملّت اور بزرگانِ امّت کو عقیدہ کی لازمی خبر کا انکار کرنے کی وجہ سے ملّت اِسلامیہ سے خارج قرار دینا پڑتا، لیکن چونکہ وہ حضرت موصوف کو اپنا بزرگ تسلیم کرتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وہ خود بھی اپنی تشریح وتوضیح کو مسلم عقیدہ کا لازمی جزو نہیں سمجھتی۔

اجماعی عقیدہ

پھر مجلسِ عمل نے اپنی پیش کردہ خاتم النبیّین کی تشریح کے متعلق کہا ہے کہ اُمّت محمدؐیہ کا یہ ایمان ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا حوالہ پیش کیا ہے کہ اُمّت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان معنوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔ کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اگر اجماع ہے تو صرف اس امر پر ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آئے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کے آنے سے شریعت مکمل ہو چکی ہے۔ اور اس پر زیادتی ممکن نہیں۔

لانبیّ بعدی:. احادیث میں جو **لانبی بعدی یا فلا رسول بعدی و لانبی** کے الفاظ آئے ہیں۔ان کے اس مفہوم پر بھی علماء کا اتفاق نہیں ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا بھی یہی مفہوم لیا گیا ہے کہ کوئی نبی ناسخِ شریعت محمدؐیہ نہیں آئے گا۔مثلاً

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:۔

''نبوت جو رسول اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوگئی۔وہ تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقامِ نبوت، پس اب کوئی ایسی شریعت نہیں ہوگی جو رسول اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔اور نہ اب آپؐ کی شریعت میں کوئی حکم زائد ہوگا۔اور یہی معنی حضور علیہ السلام کے قول''**ان الّرسالة والنبوّة قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی**'' کے ہیں کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا جو میری شریعت کے مخالف ہو۔ **بل اذا کان یکون** تحت حکم شریعتی بلکہ جب بھی ہوگا میری شریعت کے ماتحت ہوگا۔ **ولا رسول** اور نہ کوئی میرے بعد خلق اللہ کی طرف رسول ہوگا جو نئی شریعت لائے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے۔ یہ وہ مقام ہے جس دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن مقامِ نبوّت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔اس میں کوئی خلاف نہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نبی اور رسول ہیں اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آئیں گے اور ہماری شریعت کے ساتھ حکم کریں گے۔

''.......ونبوّة عیسٰی ثابتة لہٗ محققةٌ فھٰذانبی ورسول قد ظھربعد ہٗ صلّی اللہ علیه وسلّم وھوالصّادق فی قولہٖ لانبیّ بعدہٗ فعلمنا قطعاً انّہٗ یریدنبوّة التّشریع خاصّةً''

اور عیسٰی کی نبوۃ ثابت اور محقّق ہے پس وہ نبی اور رسول ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوں گے اور آنحضرتؐ اپنے اس فرمان میں بھی صادق ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔تو ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ آپ کی مراد صرف نبوّتِ تشریعی سے ہے۔

(فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ۳)

(۲) اسی طرح امام محمد طاہر رحمہ اللہ اپنی کتاب تکملہ مجمع البحار میں فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول لانبی بعدی سے (اراد لا نبی ینسخُ شرعہ) یہ مراد لیا ہے کہ آپؐ کے بعد ایسا نبی نہیں آئے گا۔ جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

(تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

(۳) نواب نورحسن صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں حضرت امام ملاّ علی قاری کا قول نقل فرماتے ہیں۔

’’حدیث لاوحی بعدی باطل ہے۔ ہاں لا نبی بعدی آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہ لاوے گا۔

(اقتراب السّاعۃ صفحہ ۱۶۲)

سلفِ صالحین کی ان تشریحات کے ہوتے ہوئے آل مسلم پارٹیز کا یہ کہنا کہ ان کی تشریح پر امّت کا اجماع ہے، کس قدر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

اجماع کے متعلق بحث

مزید برآں اجماع کے حجّت ہونے کے بارہ میں ہی اُمت کا اجماع نہیں تو یہ شرعی حجّت کیونکر ہوسکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

’’ **لو انکروجود ابی بکرٍ وخلافتہٗ لم یلزم تکفیرہٗ لانّہٗ لیس تکذیباً فی اصلٍ من اصول الدّین ممّا یجب التّصدیق بہٖ بخلاف الحجّ والصّلوٰۃ وارکان الاسلام لسنانکفرہٗ لمخالفۃ الاجماع فانّ لنانظرٌ فی تکفیر النّظّام المنکرلا صل الاجماع لانّ الشّبّہ کثیرۃ فی کون الاجماع حجّۃٌ قاطعۃٌ** ‘‘

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳)

اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کے وجود اور آپ کی خلافت کا منکر ہو تو اس کی تکفیر لازم نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس امر میں اصولِ دین میں کسی ایسے اصل کی، جس کی تصدیق ضروری ہے، تکذیب نہیں پائی گئی۔ بخلاف حج، نماز،

اور دیگر ارکانِ اسلام کے ہم صرف اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر نہیں بنیں گے۔ کیونکہ ہمیں النظام کی تکفیر میں بھی اعتراض ہے جو سرے سے اجماع کا ہی منکر ہے۔ کیونکہ اجماع کے قطعی دلیل ہونے میں بہت سے شبہات ہیں۔

(۲) اور صحابہؓ کے زمانہ کے بعد بعض نے اجماع کو بالکل ناممکن قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ **من ادعیٰ الاجماع فھو کاذبٌ**'' (مسلم الثبوت مع شرح الشیخ محبّ اللہ ابن عبدالشکور جلد۲ صفحہ۲۱۲ مطبوعہ بولاق مصر)

یعنی جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد جبکہ علماء مشرق و مغرب میں پھیل گئے سب کا کسی مسئلہ پر اجماع ہونا ناممکن تھا۔ اِس لئے اس کا دعویٰ کرنا بھی باطل ہے۔

(۳) امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید حزم متوفّی ۴۵۶ھ فرماتے ہیں:۔

''**والاجماع ھو مایتّقن انّ جمیع اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عرفوہ وقالوابہ ولم یختلف فیہ احدٌ**''

کہ اجماع یہ ہے کہ علیٰ وجہ الیقین یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلعم کے تمام صحابہؓ اُسے جانتے تھے اور انہوں نے اسے بیان بھی کیا۔ اور اس کے بارہ میں کسی ایک نے ان میں سے اختلاف نہیں کیا، جیسے کہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ وہ تمام آنحضرتؐ کے ساتھ پانچ نمازیں پڑھتے تھے اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اجماع کا دعویٰ کرتا ہے یا خیال کرتا ہے کہ صحابہؓ کے بعد بھی کسی امر پر ایسا اجماع ہوا تو وہ غلط کہتا ہے۔ کیونکہ اجماع کے لیے سب مومنوں کے اجماع کی شرط ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ کے بعد یہ ناممکن تھا۔''

(المحلّٰی جلد ا صفحہ ۵۴ مطبوعہ مصر)

(۴) پھر صحابہؓ کے ہر اجماع کے منکر کو بھی علماء نے کافر نہیں کہا۔ ملّا جیون اپنی کتاب نورالانوار شرح المنار میں لکھتے ہیں؛

"اجماع الصّحابة نصّاً مثل ان یقولو جمیعااجمعناعلٰی کذافانّه مثل الاٰیة والخبرالمتواتر حتّٰی یکفّرجاحدهٗ ومنه الاجماع علٰی خلافة ابی بکرٍالصّدّیق رضی اللّٰهعنه ثمّ الّذی نصّ البعض وسکت الباقون من الصّحابة وهوالمسمّٰی بالاجماع السّکوتی ولایکفّر جاحدهٗ"

(نورالانورشرح المنارصفحہ۱۸۹)

کہ سب سے زیادہ قوی اجماع صحابہؓ کا ہے کہ وہ سب متفق ہوکر کہیں کہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے تو ایسا اجماع آئت اورخبر متواتر کی طرح یقینی ہے اوراس کا منکر کافر ہے۔اور حضرت ابوبکرصدیقؓ کی خلافت پر اسی قسم کا اجماع ہوا اور دوسری قسم اجماع کی یہ ہے کہ بعض صحابہؓ نے اتفاق کیا لیکن دوسرے خاموش رہے تو اس کا نام اجماع سکوتی ہے اور اس کا منکر کافرنہیں۔

کیا آل مسلم پارٹیز کنونشن یہ ثابت کرسکتی ہے کہ صحابہؓ نے یا ان کے بعد تابعین یا تبع تابعین نے اکٹھے ہوکر ایسا کہا ہے کہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیّین ہیں اس لئے آپؐ کے بعد کوئی نیا یا پرانا یا اُمّتی نبی نہیں آئے گا۔ جب کوئی ایسا اجماع ہی ثابت نہیں تو پھراس کا یہ کہنا کہ میری تشریح پر امت کا اجماع ہے کس طرح درست ہوسکتا ہے۔خصوصاً جبکہ ہم اس تشریح کے مخالف مختلف زمانوں کے علماء کے قلم سے ثابت کر چکے ہیں اوراس سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ احاد ہیں۔اورشرح فقہ اکبر میں امام ملاّ علی قاری لکھتے ہیں:۔

"انّ المعتبرفی العقائد الادلّة الیقینةواحادیث الاحادِلو ثبتت انّماتکون ظنّیة'

(شرح فقہ اکبر ملاّ علی قاری صفحہ۹۱)

کہ عقائد میں ادلہ یقینیہ کا ہونا ضروری ہے اور احادحدیثیں اگر صحیح بھی ثابت ہو جائیں تو پھر بھی وہ ظنّی ہیں۔

(۵) اور شیخ محبّ اللہ بن عبدالشکور نے اپنی کتاب مسلم الثبوت میں یہ تصریح کی ہے:۔

"امانی المستقبلات کاشراط السّاعة وامور الأخرة فلا(اجماع) عندالحنفّیة لانّ الغیب لادخل فیه للا جتهاد"

(مسلم الثبوت مع شرح صفحہ۲۴۶)

کہ جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے کہ اشراط الساعۃ اور امور آخرت، تو ان پر حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں۔ کیونکہ ان باتوں میں جو غیب ہے اجتھاد اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور اس کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں اور یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوگا یا نہیں اخبار غیبیہ سے متعلق ہے۔ جس میں رائے یا اجتھاد کو کوئی دخل نہیں۔ اس لئے اس میں اجماع کو بطور حجّت پیش کرنا درست نہیں۔

خلاصۃً:۔ خلاصہ کلام یہ کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم النبیّین کی جو تشریح وتوضیح کی ہے وہ کبھی مسلم عقیدہ کی لازمی جزو نہیں رہی۔ کیونکہ:۔

(الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کئی بزرگان ملّت نے خاتم النبیّین کی جو تشریح کی ہے وہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کی تشریح سے مختلف ہے۔

(ب) کنونشن کی مذکورہ تشریح کو اجماعی عقیدہ قرار دینا قطعاً غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ اس تشریح کے اسلامی عقیدہ کے لازمی جزو ہونے پر کبھی بھی اجماعِ امّت نہیں ہوا بلکہ خلاف اس کے یہاں تک لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی خاتم النبیّین کی یہ تاویل کرے کہ اس سے محض اولوالعزم رسولوں کا ختم کرنا مراد ہے تو ایسی تاویل کرنے والا لانبیّ بعدی اور خاتم النبیّین کا منکر نہیں ہوگا اور اس بنا پر بھی اس کی تکفیر جائز نہیں ہوگی کہ وہ اجماع کا منکر ہے۔

(الاقتصاد صفحہ۱۱۳)

(ج) اور بالفرض اگر اجماع ہوتا بھی تو بھی اجماع کے انکار کی بناء پر تکفیر جائز نہ ہوتی کیونکہ اجماع کے حجت قطعی ہونے پر امت کا اجماع نہیں۔ بلکہ اس کے حجت قطعی ہونے سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے جو اُوپر گزر چکا ہے۔ ظاہر ہے۔ پس آل مسلم پارٹیز کنونشن کی خاتم النبیّین کی تشریح کسی زمانہ میں بھی مسلم عقیدہ کا لازمی جزو نہیں رہی۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے رسالہ قتلِ مرتد میں لکھا ہے کہ قتلِ مرتد مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر باوجود مسلمان ہونے کے اس عقیدہ کے منکر تھے۔''

(مرتد کی سزا اور قانون باردوم صفحہ ۴۶)

کیا ختمِ نبوّت کو مسلم عقیدہ کا کبھی جزو بنایا گیا؟

مسلم عقیدہ سے مراد اگر ایمانیات ہیں۔یعنی وہ امور جو ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں۔ یا اسلام کے اساسی امور ہیں جو بنائے اسلام کہلاتے ہیں تو جواب نفی میں ہے۔ اس لئے کہ:۔

(الف) وہ باتیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جنہیں ارکان ایمان یا اصولِ ایمان کہا جاتا ہے وہ از روئے قرآن مجید واحادیث مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان (۳) اس کی کتابوں پر ایمان (۴) اس کے رسولوں پر ایمان (۵) آخرت یا بعثِ بعد الموت پر ایمان (۶) بعض روایات میں ایمان بالقدر آیا ہے۔

اور اسلام کے اساسی ارکان کلمۂ شہادتین۔ نماز کا قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بشرطِ استطاعت حج کرنا ہیں۔ پس ایمانیات میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید پر ایمان شامل ہے۔

ثبوت:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"ولکن البرّ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخروالملائکتہ والکتاب والنبیّین"

(البقرۃ رکوع ۲۲)

ترجمہ:۔ کامل نیکی اسی کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور روزِ آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔

دوسری آیت: "اٰمن الرّسول بما اُنزل الیہ من ربہ الاٰیۃ"۔

(البقرہ رکوع ۴۰)

ترجمہ:۔ کہ رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر ایمان لایا۔ جو اس کی طرف اس کے رب نے اُتارا اور مومن بھی سب ایمان لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ (کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں)

۳:۔حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ ایمان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے (۱) اللہ تعالیٰ پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر (۴) اس کے رسولوں پر (۵) اور بعثِ بعد الموت پر۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۱۲ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

۴:۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

بنی الاسلام علی خَمسٍ الحدیث کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔ اس امر کی شہادت کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ زکوٰۃ دینا اور بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۶، ۱۲)

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آیت خاتم النبیّین کے نزول سے قبل اور اس کے نزول کے بعد اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمۂ شہادتین کا اعلان کافی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ خاتم النبیّین کا لفظ کبھی شامل نہیں کیا گیا اور اعمال میں سے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اعمال مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے تھے۔

ثبوت:۔آیت خاتم النبیّین کے نزول سے قبل

(۱) ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہّ سے ہجرت کرنے سے قبل ایمان لائے، اُنہوں نے اپنے اسلام کا اعلان ان الفاظ میں کیا:۔

” اشهدان لاالٰہ الااللّٰہ واشهد انّ محمّد رّسول اللّٰہ“

(بخاری جلد اصفحہ ۵۴۵)

(۲) حضرت عمرؓ ہجرت سے پہلے ہی ایمان لائے ہیں۔ جب اسلام لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے اور آپؐ نے فرمایا۔ اے ابنِ خطاب مسلمان ہوجاؤ تو عمرؓ نے کہا:۔

” اشهدان لاالٰہ الااللّٰہ واشهد انّ محمّد رّسول اللّٰہ“

(بخاری جلد اصفحہ ۵۴۵)

اور پھر صحابہؓ نے جوارقم کے گھر میں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

(۳) ہجرت کے بعد یہود میں سے جب عبداللہ بن سلام مسلمان ہونے کے لئے آئے۔تو اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ پہلے میرے متعلق یہود سے دریافت فرمالیں۔ دریافت کرنے پر یہود نے جواب دیا کہ وہ تو ہم میں بہت ہی اچھے اور بزرگ اور شریف ہیں۔آپؐ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوجائے تو اُنہوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔اللہ اسے اس سے بچائے۔اس پر عبداللہ بن سلام باہر نکلے اور کہا:۔

” اشهدان لاالٰہ الااللّٰہ واشهد انّ محمّد رّسول اللّٰہ“

تو یہود نے یہ کہنا شروع کیا یہ تو ہم میں سب سے بُرا شخص ہے۔

(بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۶۱)

آیت خاتم النبیّین کے نزول کے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آیا اور عرض کی کہ

آپ ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں۔ ہم دوسروں کو بتا دیں اور خود بھی اس کے ذریعہ جنّتی بن سکیں۔آپؐ نے فرمایا وہ بات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہے۔ پھر فرمایا۔ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان سے کیا مراد ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا:۔

شهادة ان لااله الاالله وان محمّدارسول الله واقام الصّلوٰة وايتاء الزّكوٰة وصيام رمضان وان تعطوامن المغنم الخمس‘‘

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳)

یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت سے پانچواں حصّہ دینا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک مہم بھیجی، اور ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور مدینہ لاکر اسے مسجد کے ایک عمود سے باندھ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی گفتگو ہوئی، آپؐ نے اسے چھوڑ دیا، وہ غسل کر کے آیا اور اپنے مسلمان ہونے کا ان الفاظ میں اعلان کیا:۔

” اشهدان لااله الاالله و انّ محمّدً رّسول الله‘‘

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۷)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ وہاں اہلِ کتاب بھی ہوں گے، جب تم ان کے پاس پہنچو۔

فادعهم ان يشهد وان لااله الاالله وان محمدً ارسول الله.

تو انہیں اس طرف دعوت دے کہ وہ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر فرمایا:۔

” فان هم اطاعولك بذالك فاخبرهم ان اللهقدفرض عليكم بخمس صلوٰةٍ فى كلّ يومٍ وليلةٍ‘‘

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۳)

اگر وہ تیری بات مان لیں تو وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اُنہیں یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ

نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے عرب لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ہے:

"حتّٰی یشھدواان لاالٰہ الااللّٰہ وانّ محمّدًا رسول اللّٰہ ویقیمو الصلوٰۃ ویوتوالزّکوٰۃ فاذافعلو ذالک عصمومنّی دماء ھم واموالھم الابحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ"

(بخاری جلد۱صفحہ۸)

یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، جب ایسا کریں تو ان کے خون اور مال محفوظ ہوں گے اور یہ حق انہیں اسلام کے اظہار کی وجہ سے ہوگا۔ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔

(۵) تاریخی واقعہ ہے اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا، جب ہم نے دشمن کو شکست دے دی تو میں نے اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک شخص کو گھیر لیا، اُس نے لا الٰہ الا اللہ۔ کہا۔ انصاری تو اسے مارنے سے رُک گیا لیکن میں نے اسے نیزہ سے قتل کر دیا۔ جب ہم واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ "اسامہ تُو نے اُسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔" میں نے کہا: "اس نے ڈر کر اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فقرہ کو اتنی دفعہ دہرایا کہ میں نے اپنے دل میں کہا، کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔

(بخاری جلد۲صفحہ۶۱۲)

(۶) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے فرمایا کہ کوئی شخص سچے دل سے کلمہ شہادتین نہیں پڑھتا، مگر اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

(بخاری جلد۱صفحہ۲۴)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان

ہونے کے لئے کبھی یہ اقرار نہیں لیا جاتا تھا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف آپ کی رسالت کا اقرار لیا جاتا تھا۔

(ج) آئت خاتم النبیّین کے نزول کے بعد بھی آپؐ نے اپنا منصب ''رسول اللہ'' ہی بتایا اور اپنے نام کے ساتھ خطوط یا معاہدات یا عبادات میں (جیسے نماز میں تشہد کے موقعہ پر ہے) رسول اللہؐ کے ساتھ خاتم النبیّین کا ذکر نہیں فرمایا، اسی طرح اذان میں صرف رسول اللہ ہی رکھا، اس کے ساتھ کبھی خاتم النبیّین شامل نہیں کیا گیا۔گزشتہ 1400 سال میں اشہد ان محمدًا خاتم النبیّین کلمہ میں یا اذان میں کبھی نہیں کہا گیا۔ شیعہ صاحبان نے اذان میں انّ علیّاً وصی اللہ کے الفاظ زائد کئے۔لیکن خاتم النبیّین کے الفاظ انہوں نے بھی کبھی زائد نہیں کئے۔

ثبوت: بادشاہوں کے نام خطوط

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے ان کے نام خطوط لکھے، ان میں آپؐ نے ''من محمد بن عبداللہ ورسولہٗ'' لکھا، خاتم النبیّین ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) آپؐ سے کہا گیا کہ بادشاہ وہی خط قبول کرتے ہیں، جس پر مُہر ثبت ہو تو آپؐ نے مُہر بنوائی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' کے لفظ کندہ کروائے۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۱۵)

(۳) معاہدہ حدیبیہ ۶ھ میں لکھا گیا، حضرت علیؓ آپؐ کی طرف سے لکھنے والے تھے۔آپ نے لکھا:۔ '' ھذا ماقاضیٰ علیہ محمد رسول اللہ''

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۵۲)

(۴) پانچ بنائے اسلام میں بھی آپؐ نے شہادتین میں خاتم النبیّین نہیں بلکہ محمد رسول اللہ کے الفاظ رکھے۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۶)

(۵) نماز میں التّحیات یا تشہد میں یہی الفاظ رکھے اشھد انّ محمّدًا عبدہٗ ورسولہ'' (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۸)

(۶) اذان اور اقامت میں بھی '' اشهد انّ محمّدًا رسول اللّٰہ'' ہی رکھا اور کبھی خاتم النبیّین کے الفاظ اس کے ساتھ نہیں ملائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل جزو عقیدہ کی آپؐ کی رسالت تھی، نہ کہ ختمِ نبوّت؟

(و) بیعت کے الفاظ:۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے کا ذکر ہے (سورۃ ممتحنہ رکوع ۳) اور اسی طرح سعید بن عبادہ نے بیعت عقبہ کا ذکر کرتے ہوئے بیعت کے الفاظ کا بھی ذکر کیا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۷)

اسی طرح جریر بن عبداللہ البجلی نے بھی بیعت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳)

ان کے علاوہ اور حدیثوں میں بھی عورتوں اور مردوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ مگر کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ آپؐ نے بیعت لیتے وقت اپنے خاتم النبیّین ہونے کا بھی عہد لیا ہو۔

(ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہی تعامل رہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے خلیفہ ہوئے تو آپ نے خلیفۂ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے مرتدین کے نام خط لکھا۔ اس میں مسلمان اور کافر کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے۔ مضمون خط یہ ہے:۔

''میں تمہارے سامنے معبود حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ واحد، لاشریک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کا جو پیام ہمارے لئے لائے۔ ہم اس کا قرار کرتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے اسے کافر سمجھتے ہیں۔''

(ترجمہ تاریخ طبری جلد ۱، حصّہ چہارم صفحہ ۳۸ مطبوعہ دارالمطابع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی۔ حیدرآباد دکن)

اس خط میں حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان ہونے کے لئے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا لکھا ہے اور جو اس کا انکار کرے اسے کافر قرار دیا گیا ہے۔

(۲) آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قبیلہ عبدالقیس بھی مرتد ہوگیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے، جارودؓ بن سعلیٰ اسی قبیلہ کے تھے، اپنے قبیلہ کو جمع کر کے اُن سے آنخضرتؐ سے پہلے کے انبیاء کی وفات تسلیم کروا کے کہا:۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتقال فرما گئے۔ جس طرح سابقہ انبیاء دنیا سے اُٹھ گئے میں اعلان کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ ان کی قوم نے کہا۔ ہم بھی شہادت دیتے ہیں کہ سوا اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں اور بیشک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس طرح وہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے۔''

(تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ ۹۴، ۹۵ حصّہ چہارم)

اور صفحہ 96 پر لکھا ہے کہ جارود نے یہ اعلان کیا کہ:۔

''سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمام اُن لوگوں کو جو اس کا اقرار نہیں کرتے کافر قرار دیتا ہوں۔''

(۳) مسیلمہ کذّاب کے دعویٰ نبوت کے بعد جب اس کا قبیلہ اس پر ایمان لایا۔ اور باغی ہوگیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو ان کے مقابلہ کے لئے لشکر دے کر بھیجا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو یہ ہدایت دی کہ ان مرتدین پر حملہ کرنے سے پہلے ان کے گاؤں سے باہر اذان دینا اگر وہ بھی اذان اور اقامت کہیں۔ تو ان سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔

(تاریخ طبری مترجم اردو جلد ا حصّہ چہارم صفحہ ۶۷)

اسلام کی علامت اذان ہے۔(مرتد کی سزا اسلامی قانون میں مصنّفہ مولانا مودودی صاحب باردوم صفحہ 26 بحوالہ البدایۃ والنھایہ جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 316 مؤلفہ حافظ ابن کثیر)

(۴) حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی یہی اعلان کیا:۔

"من استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا واٰمن بنبیّنا وشھدشھادتنا ودخل فی دیننا اجرینا علیہ حکم القراٰن وحدودالاسلام لیس لاحدٍ علیٰ احدٍ فضلٌ الّا بالتّقویٰ"

(فروع کافی جلد۳ کتاب الردصفحہ۱۶۶)

''جو ہمارے قبلہ کی طرف مُنہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے اور ہمارے نبی پر ایمان لائے اور ہماری طرح شہادت دے اور ہمارے دین میں داخل ہو۔ تو ان پر ہم قرآن کا حکم اور اسلامی حدود کا اجراء کریں گے۔ اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہوگی مگر تقویٰ کی بناء پر''

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہما نے اسلام میں داخل ہونے اور حکومت میں جن لوگوں سے مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جانا چاہئے۔ ان کے لئے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت پر ایمان لانا شرط قرار دیا ہے۔

(۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یقینی اصول یہ ہے کہ **انّ کل من کذّب محمّدًا فھو کافرٌ**'' جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ (الاقتصاد صفحہ۱۱۱)

سوائے فلاسفہ کے پھر معتزلہ اور مشبّہ اور دیگر فرقوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ان کی تکفیر سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک نصّ شرعی سے یہ ثابت ہے کہ کافر صرف رسول کے مکذب کو ٹھہرایا جائے۔ اور یہ لوگ مکذّب نہیں ہیں۔ بلکہ تاویل کرتے ہیں۔ اور تاویل میں غلطی کرنا ہمارے نزدیک موجبِ تکفیر نہیں۔ اس کے بالمقابل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے انسان کو قطعی طور پر مال وجان کی حفاظت حاصل ہو جاتی ہے اور جو شخص کھلم کھلا مکذّب نہ ہو وہ مکذّب کے حکم میں بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ایسا شخص اس حفاظت کی وجہ سے جو کلمۂ شہادت سے حاصل ہوتی ہے۔ محفوظ رہے گا۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ۱۱۲)

(و) موجودہ زمانہ میں اسلام کی تعریف

(۱) آنریبل سرعبدالرحیم بیرسٹرایٹ لاسب جج ہائیکورٹ مدراس لکھتے ہیں:۔

''اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ از روئے دین شرع اسلام کیا ہے۔عربی زبان میں اس کی تعریف صرف ایمان لفظ سے ہوجاتی ہے۔ جو خدائے واحد یعنی شارع کے اقتداء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق پر جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ مشتمل ہے۔جس کا ایمان ان دونوں امور میں سے کسی ایک امر میں بھی ناقص ہے۔ وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔''

(اصول فقہ اسلام صفحہ ۲۶۴ مترجمہ مولوی مسعود علی صاحب بی۔اے علیگ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

پھر لکھتے ہیں:۔

''چونکہ بدعقیدہ لوگ (Heritics) بھی خدا کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے قائل ہیں۔اس لئے شریعت اسلام ان سے متعلق ہوتی ہے۔ یا یوں کہو کہ ان کی شرعی اہلیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔''

(اصول فقہ اسلام صفحہ ۳۶۹)

(۲) کئی مقدمات جوڈیشل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا ایک مسلمان کا کسی ایسے فرقۂ اسلام میں شامل ہونا حقوقِ اسلامی سے محروم کر دیتا ہے۔جس پر علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ ہائیکورٹوں اور پریوی کونسل لندن نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ایک مسلمان کہلانے والے کو کوئی شخص دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا حق نہیں رکھتا۔''

انڈین لاء رپورٹ الہ آباد جلد 12 صفحہ 290 نیز ملاحظہ ہوں، انڈین لاء رپورٹ پٹنہ جلد 2 صفحہ 108 و آل انڈیا رپورٹر 1933ء الہ آباد صفحہ 284 و انڈین لاء رپورٹ مدراس جلد 45 صفحہ 986 و آل انڈیا رپورٹر لاہور 1933ء صفحہ 759 و آل انڈیا رپورٹر پشاور 1936ء صفحہ نمبر 65۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد کے زمانہ پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل بنیادی چیز جس کے ماننے سے انسان اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے اور جس کے انکار سے کوئی دائرۂ اسلام سے بالکل باہر یعنی غیر مسلم ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے۔ ختم نبوّت کے اقرار کو ایمانیات (یعنی عقائد) کا کسی زمانہ میں جز ونہیں بنایا گیا۔

(ز) خاتم النّبیّین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے

خاتم النّبیّین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا ہی صفاتی نام ہے۔ جیسا کہ آپؐ کے دوسرے نام شاہد۔ نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر وغیرہ قرآن مجید اور الماحی، عاقب وغیرہ حدیثوں میں ذکر ہوئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی اسے ایک صفاتی نام سمجھا ہے۔ اور باب اسماء النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(ح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین ماننا کیوں ضروری ہے؟

مذکورہ بالا بحث سے یہ ظاہر ہے کہ ختمِ نبوت'' کا عقیدہ'' ''مسلم عقیدہ'' کی اس حیثیت سے ہرگز لازمی جز ونہیں رہا کہ اسے ارکان ایمان میں یا ارکان اسلام میں داخل کیا گیا ہو۔ بلکہ اصل چیز مسلم عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان ہے اور خاتم النّبیّین کے الفاظ چونکہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس لئے ان پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری بیان شدہ باتوں پر ایمان لانا۔

اور ایسے ایمان کے لئے نص پر ایمان لانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر اور تاویل کی بنا پر جس کے الفاظ لغت کی رو سے متحمل ہوں۔ کسی کو نص کا مکذّب قرار دے کر اسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً

(۱) شرح فقہ اکبر مطبوعہ حیدر آباد صفحہ نمبر 9 میں لکھا ہے:۔

اگر کوئی یہ کہے مجھے یہ معلوم نہیں کہ خدا نے مجھ پر نماز، روزہ اور زکوٰۃ فرض کی ہے تو کافر ہوگا۔ لیکن اگر یہ کہے کہ میں آئت اقیمو الصّلوٰۃ واٰتوالزکوٰۃ پر ایمان لاتا ہوں مگر اس کی تفسیر اور تاویل نہیں جانتا تو کافر نہیں ہوگا۔

"لانّہ مصدقٌ بالتّنزیل وان کان مخطئاً فی التّاویل"

کیونکہ وہ قرآن مجید کا مصدق ہے۔ اگر چہ تفسیر کرنے میں وہ غلطی پر ہے۔

(۲) امام غزالی کا مذہب:۔ حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی فلاسفہ کو چھوڑ کر معتزلہ اور مشبہ اور باقی تمام فرقوں کے متعلق فرماتے ہیں، کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں اور جھوٹ کو جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ تاویل سے کام لیتے ہیں اور تاویل کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ پس ان لوگوں کا معاملہ اجتہاد کی طرح ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ان کی تکفیر سے حتّی الامکان احتراز کیا جائے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں۔

"ودلیل المنع من تکفیر ھم ان الثابت عند نابالنّص تکفیر المکذب للرسول وھؤلاء لیسومکذبین اصلاً ولم یثبت لنا اِن الخطاء فی التاویل موجب للتکفیر فلابُدَّ من دلیل علیہ وثبت ان العصمة مستفادة من قو لہ لاالٰہ الااللّٰہ قطعاًفلایرفع ذالک الابقاطع وھذالقدر کاف فی التّبیینة علٰی ان اسراف من بالغ فی التکفیر لیس عن برھان امااصل اوقیاس علی الاصل والاصل ھوالتکذیب الصریح ومن لیس بمکذب فلیس فی معنٰی المکذب اصلاً فیبقیٰ تحت عموم العصمة بکلمة الشھادة"

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۱۲)

ترجمہ:۔ اس امر کی دلیل کہ انہیں کافرنہیں کہنا چاہیئے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نص (شرعی) سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والا ہو، وہ کافر ہوتا ہے۔اور یہ تمام فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز مکذّب نہیں اور ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہے کہ تاویل میں غلطی کھانا موجب تکفیر ہے۔ پس تکفیر کے لئے کوئی یقینی دلیل ہونی چاہیئے اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے سے انسان کو مال وجان کی حفاظت حاصل ہوجاتی ہے۔اور جب تک اس کے خلاف کوئی یقینی دلیل نہ ہو۔ یہ حفاظت قائم رہے گی۔ ہمارا اس قدر کہنا یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔کہ تکفیر میں حد سے تجاوز کرنے والے کا یہ فعل کسی دلیل پر مبنی نہیں۔کیونکہ دلیل یا اصلی ہوگی یا قیاس جو کسی اصل پر مبنی ہوگا۔اور اصل اس بارہ میں رسول کی یا نص صریح کی تکذیب ہے اور جو شخص اصلاً مکذّب نہیں ہے۔تو وہ مکذّب کے حکم میں بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا ایسا شخص کلمہ شہادت کی وجہ سے جو عام عصمت (حفاظت) حاصل ہوتی ہے۔ وہ محفوظ ہوگا۔اور اسے کافرنہیں قرار دیا جائے گا۔‘‘

(۳) امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت الجواہر میں فرماتے ہیں:۔

’’قال الشیخ الاسلام المخزومی قد نص الامام الشافعی علیٰ عدم تکفیر اھل الاھواء وفی روایة اخریٰ ولااکفر احداً من اھل القبله بذنب وفی روایة اُخریٰ ولااکفراھل التاویل المخالف للظاھر بذنب قال المخزومی رحمة اللّٰہ اراد الامام الشافعی رحمه اللّٰہ باھل الاھواء اصحاب التاویل المحتمل کا المعتزلةوالمرجئة واراد باھل القبلة اھل التوحید انتھٰی فقد علمت یا اخی ممّا قررناہ لک فی ھٰذالمبحث انّ جمیع العلماء المتدنین امسکوامن القول بالتکفیر لاحدمن اھل القبله بذنب

فبهداهم افتده و اللہ تعالٰی اعلم"

(الیواقیت والجواہر جلد۲۔مطبوعہ مطبع از ہریہ مصر صفحہ۱۴۲)

یعنی شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ اہلِ اھواء کی تکفیر جائز نہیں۔ اور ایک دوسری روائت میں یہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو جو ظاہر کے مخالف تاویل کرتے ہیں کسی گناہ کہ وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ امام مخزومی فرماتے ہیٰ کہ اہلِ اھراء سے امام شافعیؒ کی مراد وہ فرقے ہیں۔ جو محتمل تاویل کرتے ہیں۔ جیسے کہ معتزلہ اور اہل قبلہ سے مراد اہل توحید ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی یہ نقل کر کے فرماتے ہیں:۔

"اے برادر آپ کو ان باتوں سے جو ہم نے اس مبحث میں پیش کی ہیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ تمام متدین علماء گناہ کی بنا پر اہل قبلہ کی تکفیر کے مخالف ہیں پس ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔"

اگر کوئی شخص قرآن مجید کی عبارت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی ایسی تاویل کرتا ہے جو لغت کے لحاظ سے درست ہوسکتی ہے لیکن عام مشہور تفسیر کے خلاف ہے، تو وہ اس تفسیر کی وجہ سے مکذّب قرآن یا مکذب رسول نہیں ہوگا۔ اور جیسا کہ ہم سطور بالا میں نیز مجلس عمل کے تحریری بیان کے جواب میں بالتفصیل ثابت کر چکے ہیں کہ خاتم النبیّین کے جو معنے جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ قرآن مجید، احادیث نبویہؐ اقوالِ بزرگان سلف اور لغت سے ثابت ہیں۔ پس محض اختلاف تاویل کی بنا پر جماعت احمدیہ کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا درست نہیں ہوسکتا۔

مولانا مودُودی کے تحقیقاتی عدالت کے چھٹے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

''ختم نبوت کی یہ تعبیر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آسکتا۔اس عقیدے کی بنیاد قرآن۔ سنت اور اجماع ہے
(دوس نکات کا جواب صفحہ نمبر 8)

تبصّرہ: ہمارے نزدیک مولانا کا یہ دعویٰ بھی دیگر دعاوی کی طرح باطل اور بے بنیاد ہے۔قرآن مجید کی آیت '' **وَمَنۡ یُطِعِ اللّٰہَ والرّسُول فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِینَ اَنۡعَمَ اللہ عَلَیہِمۡ مِنَ النَبِیّیۡنَ والصِّدِیقِینَ وَالشُّھُدَاء وَالصَّالِحِینۡ.**''صاف صاف بتارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے منعم علیہم میں سے ہوں گے۔ اور وہ تمام ان رُوحانی انعامات کے وارث ہوں گے جو پہلوں کو دیے گئے۔ اُن میں سے بعض امتی ہوتے ہوئے نبوت کا انعام پائیں گے۔ بعض صدیق ہوں گے بعض شہید اور بعض صالح۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتی نبی کے آنے کا ذکر بالصراحت موجود ہے۔ پس مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نوعیت کا نبی نہیں آسکتا قرآن کی رُو سے باطل ہے۔ نیز جیسا کہ چھٹے سوال کے جواب کے ابتدائی حصّے میں اور تیسرے سوال کے جواب میں بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں کہ احادیث اور محققین علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر مشرع نبی آسکتا ہے۔اور آنے والا مسیح نبی ہوگا۔ بالخصوص علمائے امت کا اس بات

پر اتفاق ہے کہ پرانا نبی آ سکتا ہے۔ اس صورت میں مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آ سکتا۔'' حد درجہ مغالطہ پرمبنی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث اور علماء امت کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول ہی نبی ہوں گے۔ بابعداہت مولانا مودودی صاحب کے دعویٰ کی تغلیط کر رہا ہے۔

تفسیر آیت خاتم النبیّین

مولانا مودودی صاحب آیت خاتم النبیّین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا تو آپ کے اس فعل پر منافقین، یہود اور مشرکین کی طرف سے دو اعتراض کئے گئے۔ (۱) اپنی بہو سے شادی کر لی جس کا جواب دیا گیا کہ آپ کا وہ حقیقی بیٹا نہ تھا۔

(۲) اس پر جواب میں وہ کہتے تھے۔ ''بالفرض یہ جائز ہی سہی مگر اس فعل کا کرنا کیا ضرور تھا۔''

پھر آپ لکھتے ہیں۔ کہ ان آیات میں معترضین کو تین جواب دئے گئے ہیں۔

(۱) یہ کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ جو نکاح انہوں نے کیا ہے وہ بہو سے ہوا بھی نہیں پھر اعتراض کیسا۔

(۲) یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی ان کا فرض ہے کہ شریعت الٰہی کے احکام کو نہ صرف بیان کریں بلکہ خود ان پر عمل بھی کریں۔ اور غیر شرعی رسموں کو مٹائیں۔

(۳) یہ کہ وہ خاتم النبیّین ہیں۔ یعنی کہ وہ رسول بھی ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ کسی خرابی کو باقی رہنے دیں تو یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ بعد میں کوئی دوسرا اس کی اصلاح کر دے گا۔''

اس میں شبہ نہیں کہ جملہ ماکان محمد اباا حد من رجالکم معترضین کے اس اعتراض کو رد کرنے کے لئے نازل ہوا تھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے شادی

کر لی ہے۔ اس جملہ میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ تو جسمانی طور پر تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں پھر یہ اعتراض کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب اپنی ذات میں ایک مکمل جواب تھا پھر ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے الفاظ کیوں زائد کئے گئے۔ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے الفاظ اس لئے زائد کئے گئے ہیں کہ یہود اور مشرکین کا یہ اعتراض بھی تھا کہ '' بالفرض جائز ہی سہی مگر اس فعل کا کرنا کیا ضرور تھا۔'' لیکن یہ صرف مولانا مودودی صاحب کا ایجاد ہے یہود ومشرکین نے یہ اعتراض ہرگز نہیں کیا۔ پہلے اعتراض کا ذکر تو کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے اعتراض کا ذکر کہاں ہے۔ بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود ومشرکین کو کیا ہمدردی ہوسکتی تھی جو وہ یہ کہتے کہ اگر نکاح جائز بھی تھا تو بھی نہ کیا ہوتا تا کہ یہ اعتراض پیدا نہ ہو۔

علاوہ ازیں حضرت زینبؓ سے آپ کی شادی کرنے کی حکمت تو اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیت میں بیان کردی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے زینب سے نکاح کرنا پڑا'' تا مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے جب وہ انہیں طلاق دیدیں بوقت ضرورت نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہو۔

دوسرے مولانا مودودی صاحب کی یہ تفسیر عربی زبان کے بھی بالکل خلاف ہے۔

حرف لکن کے معنی

حرف لکن عربی زبان میں استدراک کے لئے آتا ہے اور پہلے کلام سے جو شبہ پیدا ہوتا ہو اس کا ازالہ کرتا ہے۔ کیا اہلِ علم میں سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جملہ سے کہ ''محمد تو تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں'' یہ شُبہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر اجازت بھی تھی تو خود کیوں نکاح کرلیا۔ ہرگز نہیں۔

اس جگہ جو شُبہ پیدا ہوتا تھا اور جسے تقریباً تمام مشہور مفسرین نے تسلیم کیا ہے وہ تو یہ تھا کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں قرار دے کر آپ کو مومنوں کا باپ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر جلد 21 صفحہ نمبر 77 اور درمنثور الامام جلال الدین سیوطیؒ جلد 5 صفحہ نمبر 183 وغیرہ میں امام حسن بصری

اور عکرمہ اور مجاہد اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے آیت :۔

”اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْدَوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ“

کے بعد وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ پڑھا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ اور اس آیت میں آپ کو مومنوں کا باپ بلحاظ آپ کے نبی ہونے کے کہا گیا تھا۔ لیکن آیت مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَااَحَدٍ میں آپ کی ابوّت سے بالکل انکار کر دیا گیا۔ چونکہ ابوت مطلقہ کی نفی سے ابوت رُوحانی وجسمانی دونوں کی نفی ہونے کا اندیشہ تھا اور شُبہ ہوتا تھا کہ آپ اب نبی بھی نہیں رہے اس لئے اس شُبہ کو دور کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلٰکِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی آپ رسول اللہ ہونے کے لحاظ سے تو بدستور مومنوں کے رُوحانی باپ ہیں۔ چنانچہ الشہاب علی البیضاوی میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”اِنَّا لَمَّانُفِیَتْ اُبُوَّتهٗ مَعَ الْاِشْتِھَارِ اِنَّ کُلَّ رَسُوْلٍ اَبٌ لِاُمَّتِهٖ اِنَّمَایُوْھِمُ نَفْیَ رِسَالَتِهٖ فَاسْتَدْرَکَ ذٰلِکَ فَعُلِمَ مِنْهُ اَنَّ الْمَنْفِیَّ الْاُبُوَّتُ الْحَقِیْقَةُ“

یعنی جب اس امر کی ”کہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں“ کی نفی کی گئی تو شُبہ گزرتا تھا کہ آپ رسول اللہ بھی نہیں نبی بحالیکہ یہ مشہور بات ہے کہ ایک رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لئے حرف لکن کے ساتھ استدراک کیا گیا۔ یہاں صرف حقیقی باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ رُوحانی باپ ہونے کی نفی نہیں۔

وخاتم النبیّین

جب شُبہ متذکرہ زائل ہوگیا تو رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیّین زیادہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جیسا تفسیر فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام نسفیؒ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ کُلُّ رَسُوْلٍ اَبُو اُمَّتِهٖ کہ ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے رُوحانی باپ ہیں۔ اور اتنا کہہ دینے سے کہ بحیثیت رسول آپ اپنی امت کے باپ ہیں۔ آپ کی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی تو اپنی اپنی امت کے باپ تھے اس

لئے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیّین فرما کر آپ کو تمام دوسرے رسولوں سے ممتاز فرما دیا کہ اور نبی تو صرف مومنوں ہی کے باپ تھے مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ اور آپ دیگر تمام رسولوں کی طرح صرف ابوالمومنین ہی نہیں بلکہ ابوالانبیاء بھی ہیں۔ اور یہ معنی لغت عربی کے عین مطابق ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیّین عطف ہے ولکن رسول اللہ پر۔ اس لئے جو بات ولکن رسول اللہ سے ثابت کرنا مقصود ہے اس کا اثبات وخاتم النبیّین سے بھی مقصود ہونا چاہئے۔ اور وہ ابوّت روحانی ہے۔ ولکن رسول اللہ یہ ثابت کرنے کے لئے فرمایا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ اور خاتم النبیّین یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ اور تمام رسولوں کی طرح آپ صرف مومنوں ہی کے باپ نہیں بلکہ ان سب سے بڑھ کر آپ کا رتبہ یہ ہے کہ آپ نبیوں کے بھی باپ ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی کتاب تحذیرالناس میں اس آیت کے یہی معنی کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

> ''سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصوّر فرمایئے، یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں۔ اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اور ان کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔ جیسے خاتم (بمعنی مہر ناقل) کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ویسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔
>
> حاصل مطلب آیۃ کریمہ اس صورت میں سے ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوت معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیّین شاہد ہے۔........ تو یہ بات اب ثابت ہوگئی کہ آپ والد معنوی ہیں۔ اور انبیاء باقی آپ کے حق میں بمنزلہ ولد معنوی۔ اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔'' (تحذیرالناس صفحہ ۱۰۔۱۱)

پھر بحث کا نتیجہ یہ لکھتے ہیں:۔

''اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی بلکہ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ظاہر ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمانہ میں یا فرض کیجئے اس زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔''

(تحزیرالناس صفحہ ۲۸)

اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ ''فضلت علی الانبیاء بِستٍ'' کہ مجھے چھ باتوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک آپ نے اپنا خاتم الانبیاء ہونا بیان فرمایا ہے۔ پس آپ کا افضل الانبیاء ہونا اسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے۔ اور اگر خاتم النّبیین کے یہ معنی لئے جائیں کہ آپ سب نبیوں کے آخر میں ہیں تو صرف آخر میں ہونا کوئی وجہ فضیلت نہیں ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بھی فرمایا ہے۔ کہ

''تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کوئی فضیلت نہیں۔'' (تحزیرالناس صفحہ ۲)

ہاں آیت کے پہلے حصّہ '' **مَاکَانَ محمد ابااحدمن رجالکم**'' پر ایک اور شُبہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ اور وہ یہ کہ سورۂ کوثر میں جو مکی سورۃ ہے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ **ان شانئک ھوالابتر** کہ تیرا یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ابتر رہیگا اور اس کی نسل نہیں چلے گی مگر اس سورۃ یعنی احزاب میں جو مدنی سورت ہے یہ اعلان کیا گیا کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اور نہ آئندہ ہوں گے۔ اور چونکہ یہ بظاہر پہلے اعلان کے عین منافی تھا۔ اس لئے **ولکن رسول اللہ** میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ سورۃ کوثر میں جس لحاظ سے دشمنوں کو ابتر کہا گیا تھا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب اولاد قرار دیا گیا تو وہ روحانی لحاظ سے ہی تھا کیونکہ یہ مقدر تھا کہ آخر کار آپ کے شدید دشمن ابوجہل ولید وغیرہ کی اولادیں اس میں اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر آپ کی غلامی اختیار کریں گی۔ اور آپ کی رُوحانی اولاد کہلائیں گی۔ اس طرح تو آپ صاحبِ اولاد ہوں گے اور

آپ کے جانی دشمن بے اولاد۔ اس جگہ میں قارئین سے درخواست کروں گا کہ اس کی تفصیل ''وحی ونبوّت کے متعلق اسلامی نظریہ'' مطالعہ فرمائیں۔ جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے آیت خاتم النبیین کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی ہے۔

اب اس امر کا فیصلہ قارئین کے انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ ان دونوں تفسیروں میں سے جو اوپر درج ہو چکی ہیں کونسی تفسیر سیاق وسباق اور زبان عرب کے مطابق ہے۔

مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ وہ خاتم النبیین یعنی وہ رسول بھی ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ فرمانا خیر سے اس حالت میں ہے کہ جناب مولانا حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کو بھی قطعی اور یقینی امر ظاہر فرماتے ہیں۔ اور ہم بحوالہ احادیث اور اقوال علمائے کرام وبزرگان سلف اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ آنے والے مسیح بوقت نزول نبی ہوں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو اپنی امت کے اندرونی اختلافات کیلئے حکم وعدل اور امام مہدی قرار دیا ہے۔

لفظ ختم کے معنی

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ خاتم کے لفظ کو خواہ بالکسر خاتم پڑھا جائے یا بالفتح خاتَم۔ دونوں صورتوں میں مطلب صاف طور پر یہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے انبیاء کے سلسلے پر مہر لگ گئی (دس نکات کا جواب صفحہ نمبر 8)

جناب مولانا کو یہ مسلم ہے کہ خاتَم کے معنی مُہر کے ہیں اور خاتم کے معنی مہر لگانے والے کے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ خاتَم کے اصل معنی عربی زبان میں انگوٹھی کے ہیں۔ اور خاتِم بکسر التاء بھی ان معنوں میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی ڈکشنری منجد میں لکھا ہے'' **الخاتَم بفتح التاء و کسر ها حلی للاصبح یلبس او مایختم به**'' یعنی خاتم انگلی کا ایک زیور ہے جو انگل میں پہنا جاتا ہے۔ یا ایک آلہ (یعنی مُہر) ہے جس کے ساتھ مُہر لگائی جاتی ہے۔ آیت میں خاتَم بفتح التاء ہے۔ اور ایک قرآت میں بکسر التاء بھی آیا ہے جس کے دو معنے ہوسکتے ہیں۔ ایک ختم کرنے والا اور دوسرے مُہر لگانے والا یا صراف

مُہر ۔لیکن خَاتم بفتح التاء کےعربی زبان میں صرف انگوٹھی اورمہر کےمعنی ہیں۔احادیث بنویہ میں خَاتم بفتح التاء انگوٹھی اورمہر کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی سے جو نکاح کے خواہشمند تھےلیکن مہر کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔حضور نے فرمایا وَلَو خاتماً مِن حدید۔ جاؤ تلاش کروا اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔اور جب آپ نے بادشاہوں کو خطوط لکھےتو آپ نے چاندی کی خَاتم یعنی مُہر بنوائی۔جس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ کئے گئے تھے۔

اس لحاظ سے خاتم النبیّین کے معنے ہوئے نبیوں کی مہر یا انگوٹھی۔ یا نبیوں کی مُہر لگانیوالا ظاہر ہے کہ آخری معنے آپ کےحق میں درست ہیں اور اسی طرح ظاہری لحاظ سے نبیوں کی مہر یا انگوٹھی بھی نہیں ہیں۔اس لئے ضروری ہوا۔ کہ وجہ شبہ تلاش کی جائے۔جس وجہ سے آپ کونبیوں کی مہرقرار دیا گیا ہے۔سو وجہ شبہ مندرجہ ذیل ہوسکتی ہیں۔

اول:۔ انگوٹھی زینت کے لئے پہنی جاتی ہے اس لحاظ سے خاتم النبیّین کے معنے ہوئے آپ انبیاءعلیہم السلام کے لئے بطور زینت کے ہیں۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان جلد 7 صفحہ نمبر 286 میں لکھا ہے کہ خاتِم کے معنی ہیں وہ ان کے آخر میں آیا اور خَاتم بفتح التاء کے معنی ہیں:۔

”صَادَ کالخَاتَم لَهُمُ الذِ یختِمُونَ بهِ ویتزینُّونَ بِکَونِهِ مِنهُمْ“

کہ آپ انبیاء کے لئے بمنزلہ خاتم کے ہیں یعنی آپ کا نبی ہونا دوسرے انبیاء کے لئے باعثِ زینت ہےمجمع البحرین میں لکھا ہے۔

”خاتَم بمعنیَ الزّینَةِ مَاخُوذ مِنَ الخاتِمُ الذّی هُوَ زینةٌ لِلاَسبهِ“

کہ خاتَم کے معنی زینت کے ہیں جو خاتَم سے ماخوذ ہے جو اپنے پہننے والے کیلئے زینت ہوتی ہے۔ امام زرقانی لکھتے ہیں:۔ **امّا بفتحها معناه احسن الانبیاء خلقا وخلقا لانهٔ صلی اللہ علیه وسلم جمال الانبیاء کا لخاتم الذی یتجمل به“**

(شرح مواہب الارمنہ جلد۳ صفحہ۱۶۴ مطبوعہ مصر)

خَاتم النبیّین کے معنے تَ کی زبر کے ساتھ یہ ہیں کہ آپ صورت وسیرت کے لحاظ سے سب نبیوں سے احسن ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا جمال ہیں۔انگوٹھی

کی طرح جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔
دوسری وجہ شبہ جو انگوٹھی میں آپ کے خَاتم النبیین ہونے میں ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ اس طرح آپ تمام نبیوں پر محیط ہیں یعنی جس قدر خوبیاں اور کمالات دوسرے انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے ہیں۔ وہ سب آپ کی ذات والاصفات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور آپ جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں اور علی الاطلاق سب انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔ ان معنوں کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

"فُجِع الْقَرِیْضُ بِخَاتَم الشُّعراء
وغديرِ ورضتِهَا حَبِيبَ الطَّامِی

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ مصر)

اس شعر میں حبیب الطائی کو خاتم الشعرا قرار دیا ہے۔ لیکن اس سے شاعر کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ حبیب کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا باکمال شاعر تھا جس میں شاعری کے تمام کمالات پائے جاتے تھے۔ انہی معنوں میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ نے ختم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

'بِکَ تُختَمُ الوَلَایۃُ'' (فتوح الغیب مقالہ ۴)

کہ پھر تو اے برادر ایسے مقام پر پہنچ جائے گا جہاں تجھ پر ولایت ختم ہو جائیگی یعنی تو خاتم الاولیاء بن جائے گا۔
اور انہی معنوں میں شیخ محی الدین ابن العربی کو فتوحات مکیہ کے ٹائٹل پیج پر خاتم الاولیاء اور رسالہ عجالہ نافعہ کے ٹائٹل پیج پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو خاتم المحدثین اور مولانا محمود الحسن صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اپنے پیر و مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کو ان کے مرثیہ کے ٹائٹل پیج پر خاتم الاولیاء والمحدثین لکھا ہے۔
(ملاحظہ ہو مرثیہ مطبوعہ ہلالی ساڈھوری ضلع انبالہ) اس طرح خاتم المفسرین۔ خاتم المتکلمین، خاتم المحققین، خاتم الفقہاء، خاتم الشعراء وغیرہ الفاظ تحریر و تقریر میں بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں۔ مگر ان سے کبھی یہ مراد نہیں لی جاتی۔ کہ وہ شخص اس گروہ کا آخری فرد ہے۔

اوراب اس کے بعد کوئی اور شخص نہ مفسر ہوسکتا ہے نہ محدث نہ فقیہ نہ محقق نہ شاعر اور نہ ولی۔

عربی زبان کے علاوہ اردو اور فارسی میں بھی ختم کا لفظ کمال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی زبان کا ایک مشہور اور بلند پایہ شاعر انوری غیاث الدین بادشاہ کی تعریف میں کہتا ہے:۔

مادرگیتی نژادہ زیر چرخ چنبری
پلوشا ہے چوں غیاث الدین گداچوں انوری
برتو سلطانیست ختم وبرمن مسکین سخن
چوں شجاعت برعلی، برمصطفیٰ پیغمبری

یعنی جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور حضرت علیؓ پر شجاعت ختم ہے اس طرح غیاث الدین پر بادشاہی اور مجھ پر شاعری ختم ہے۔

تیسری وجہ شبہ:۔ یہ ہے کہ مہر تصدیق کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمی بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ تو آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ شاہانِ عجم ایسے خط کو جس پر صاحب مکتوب کی مہر نہ ہو قبول نہیں کرتے۔ راوی لکھتا ہے۔

''فاتَّخَذَ خاتِماً مِنْ فِضَّةٍ ونقشَ فیہِ محمد الرسولُ اللہِ'' (نسائی)

تب آپ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ نقش کئے گئے۔ پس خاتم النبیین کے معنے اس لحاظ سے یہ ہوئے کہ آپ سب خوبیوں کے مصدق ہیں۔ یعنی کسی نبی کی نبوت اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس پر آپ کی مہر تصدیق نہ ہو۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب اپنی کتاب استفسار میں فرماتے ہیں۔

> ''ازاں جملہ اگلے سب انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی سبب فقدان اسناد اور ثبوت تحریف کے کوئی سبیل نہیں باقی رہی بجز تصدیق حضرت خاتم النبیین کے اگر (استفسار برحاشیہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۷۹) اگر کہا جائے کہ مُہر خط کے آخر میں (جو ضروری نہیں ہے) لگائی جاتی ہے۔ اس لئے خاتم النبیین کے معنی آخر کے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ

مذکورہ بالا تمام بیان سے ظاہر ہے۔ کہ خاتم کے معنی لغتاً آخر کے نہیں ہیں۔اور اگر آخر کے معنی لئے بھی جائیں تو وہ لازم معنی کہلائیں گے۔ نہ کہ اصل معنی۔ اور جب اصل معنی لئے جاسکتے ہیں۔تو پھر لازم معنی ہی کیوں لئے جائیں۔ اور اگر ہم مہر کی اصل غرض جو تصدیق ہے اسے لیکر آخر کے معنی لیں تو پھر خاتم النبیین کے معنے یہ ہوں گے کہ آپ نبیوں کے لئے آخری مصدق ہیں۔جن کے ذریعہ تمام انبیاء کی تصدیق ہوگئی اورظاہر ہے کہ یہ معنے بھی ہماری تفسیر کے مخالف نہیں۔

مندرجہ بالا تقریر سے واضح ہے۔ کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔اور اگر خاتم کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا بھی جاتا ہے۔تو لازم المعنی لے کر کیا جاتا ہے۔ اور جب قرآن مجید کی آیت میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں ہے جو لازم معنی لینے پر دلالت کرے تو اس کے باقی سب معنے چھوڑ کر صرف آخر کے ہی معنی لینا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

ضمیمہ نمبر 4 پر تبصرہ

احادیث اور خاتمُ النبیّن

ہم سوال نمبر 4 کے جواب میں لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح اور واضح الفاظ میں آنے والے مسیح کے حق میں چار مرتبہ نبی فرمایا ہے۔ اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نسبت فرمایا۔ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوجاتے۔اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے۔ کہ خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ ’’اَبُو بَکرٍ افضل ھذہِ لامۃ اِلاّ اَنْ یَکُونُ نَبِیٌّ‘‘ (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ۴) کہ حضرت ابو بکرؓ میری امت میں سب سے افضل ہیں۔مگر یہ کہ کوئی نبی ہو۔یعنی اس امت سے اگر کوئی نبی ہوا تو وہ حضرت

ابوبکر سے افضل ہوگا۔ ان اقوال کے بعد کوئی شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف ہو وہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں کسی کو مقام نبوت کا حاصل ہوجانا آپ کے خاتم النبین ہونے کے منافی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ نمبر 4 میں جو احادیث دربارہ ختم نبوت لکھی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کے راوی ضعیف ہیں تاہم وہ احادیث ہمارے عقیدہ کے مخالف نہیں۔

اور ان کی اصل تشریح ہمارے لٹریچر میں بکثرت شائع ہوچکی ہے۔ میں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ (جواز قبل اشارات ہے) اس کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) پہلی روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن جعفر ہے۔ یحیٰ بن سعید کے سامنے جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اپنا منہ بنایا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

اور اس روایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کے معاً بعد کوئی نبی نہ ہوگا، جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا تھا۔ کہ جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کا جانشین بھی نبی ہوتا اور وہی سیاسی لحاظ سے اُن کا بادشاہ بھی ہوتا ہے۔ بلکہ آپ کے معاً بعد جو آپ کے جانشین ہوں گے وہ نبی نہ ہوں گے۔ اور وہ بہت ہوں گے۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور اس سے باشارۃ النص یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کے بعد جو نبی ہوگا وہ سیاسی طور پر بادشاہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ موسویہ میں نبی تھے اور بادشاہ نہ تھے۔

(۲) دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے سے پہلے نبیوں کی مثال ایک مکان سے دی ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جن میں سے صرف دوسری میں خاتم النبین کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کی اسناد میں بھی ایک راوی اسمٰعیل بن جعفر ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ قلیل الخطاء کہ کبھی کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے۔ دوسرا راوی عبداللہ بن دینار ہے عقیلی نے اسے ضعیف اور اس کی روایت کو مضطرب قرار دیا ہے اور ابن عیینہ نے کہا ہے کہ اس کی ابتدائی روایات غیر ثقہ ہیں۔ (میزان الاعتدال)

امام مسلم نے اس کے متعلق جو پانچ روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چار میں

خاتم النبیین کے الفاظ نہیں صرف ایک میں ہیں۔ اور یہ روایت مسلم کی ان روایات میں سے ہے۔ جو انہوں نے ادنیٰ طبقہ کی بیان کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ صحیح مسلم) اور حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے۔ جو مولانا مودودی صاحب نے لیا ہے۔ مولانا نے اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔

''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی۔ مگر ایک کونے پر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے۔ مگر کہتے تھے۔ کہ اس اینٹ کی جگہ پُر کیوں نہ کردی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیّن ہوں۔''

اس سے ایک تو ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال پہلے انبیاء سے (جو مستقل نبی ہوا کرتے تھے) بیان فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ عمارت خوبصورت تھی۔ مگر اس محل کے ایک زاویہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھے۔ کہ یہ خالی جگہ بھی پُر ہو جائے۔ تاکہ اس کی خوبصورتی اور اس کا حسن وکمال دوبالا ہو جائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ایسا ہو گیا۔ اس لئے آپ تمام دیگر انبیاء سے حسین اور خاتم النبیّن قرار پائے۔ یعنی ایسے کامل کہ جن سے زیادہ کامل نبی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی تشریح میں بالوضاحت لکھا ہے کہ اس سے مراد نبیوں کی شریعتیں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ یہ اینٹ عمارت کو کامل اور خوبصورت بنانے والی ہے۔ ورنہ اس کی عدم موجودگی سے اس کا ناقص ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس کے اپنے زمانہ کے لحاظ سے کامل تھی۔

" فَاالْمَرَأُ دُهُنَاالنَّظْرُاِلَی الْاَکْمَلِ لِنِّسبَةِ اِلَی الشَّرِیْعَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ مَعْ مَامَضٰی مِنَ الشَّرائِع الْکَامِلَةِ"

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۶۱ مطبع خیریہ مصر)

پس اس حدیث میں شریعت محمدیہ کا پہلی کامل شریعتوں کی نسبت سے اکمل ہونا مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں درحقیقت پہلی شرائع کا شریعت محمدیہ سے مقابلہ مراد ہے۔ نہ کہ نبوّت کا۔

اور سرخیل صوفیاء حضرت شیخ محی الدین عربیؒ فرماتے ہیں:۔

"وکان من جملة مافیها تنزیل الشرائع فختم الله هذا التنزیل بشرع محمّد صلی الله علیه وسلم فکان خاتم النبیّین"

(فتوحات مکّیہ جلد۲ صفحہ ۵۶)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر چونکہ تمام شرائع کا خاتمہ ہوگیا اس لئے آپ خاتم النبین ٹھہرے۔

اور عارف ربانی سید عبدالکریم جبلیؒ فرماتے ہیں کہ شرعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔

"لِاَنَّهٗ جاء بالکمال ولم یجئی احد بذالک" (الانسان الکامل)

کیونکہ آپ کامل شریعت لائے اور دوسرا کوئی ایسا کمال نہ لایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر ہی اَلْیَومَ اکملتُ لکُم دینکُمْ کی آیت اتری اور کسی پر نہ اتری۔

(۳) تیسری روایت میں ختم بی النبیّون کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے:۔

''مجھ سے انبیاء کے سلسلے پر مہر لگا دی گئی ہے۔''

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ کسی شخص کا محض آخر میں ہونا باعثِ فضیلت نہیں اور یہاں آنحضرت صلعم اپنے خاتم النبین ہونے کو دوسرے انبیاء پر فضیلت کا باعث بتا رہے ہیں۔ اور مولانا مودودی صاحب نے ''سلسلہ'' پر کے الفاظ اپنے پاس سے داخل کر دیئے ہیں۔ حالانکہ ختم بی النّبیون میں سلسلہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر نبیوں پر مہر معنے یہاں لئے جائیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ میرے ذریعہ سے تمام انبیاء کی صداقت ظاہر ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر میں ان پر مہر تصدیق نہ لگاتا تو ان کی نبوت ثابت نہ ہوسکتی۔

اور شیخ الہند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"ختم بی النّبیّون ای لایوجد من یامره اللہ سبحانه بالتشریع علی الناس"
یعنی آپ کے خاتم النبین ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص نہ ہوگا جسے خدا تعالیٰ نئی شریعت دے کر لوگوں کی طرف مامور فرمائے۔

(۴) چوتھی حدیث مولانا مودودی صاحب نے انّ الرسالة والنّبوّة قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی بحوالہ ترمذی پیش کی ہے۔لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ جو مدار عقائد وایمانیات نہیں ہوسکتی۔

اس کا ایک راوی بن فلفل ہے۔ اس کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے۔ یخطی کَثیراً کہ وہ روایت میں بہت غلطی کرتا ہے۔ ....اور علامہ سلیمانی نے بھی اس کے متعلق اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا اور اس کا شمار انہی لوگوں میں کیا ہے جو انسؓ سے نا قابل قبول حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

اس کے ایک دوسرے راوی عبدالواحد بن زیاد کے متعلق یحیٰ بن معین کہتے ہیں "لَیسَ بشئ" کہ وہ کسی کام کا نہیں۔ (میزان الاعتدال)

مزید برآں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اپنا یہ عقیدہ ذکر کر کے کہ "وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوگئی وہ تشریعی نبوت ہے۔ نہ کہ مقام نبوت۔ پس کوئی ایسی شریعت نہیں ہوگی جو شریعت محمدیہ کی ناسخ ہو اور نہ اب آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد ہوگا"
لکھتے ہیں:۔

> اور یہی معنے حضور علیہ السلام کے قول "ان الرسالة والنّبوّة قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی" کے ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا۔ جو میری شریعت کے مخالف ہو۔
> بل اذاکان یکون تحت حکم شریعتی. بلکہ جب بھی ہوگا تو میری شریعت کے ماتحت ہوگا۔ (ترجمہ از عربی عبارت فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ۳)

(۵) مولانا مودودی صاحب کی پیش کردہ پانچویں حدیث میں جو الفاظ "

العاقب الّذی لیس بعدہ نبی'' وارد ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور شرح صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ کہ عاقب کی تفسیر امام زہری نے کی ہے۔ جو صحابی نہیں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولانا مودودی صاحب اسے آنحضرت صلعم کا قول بتا رہے ہیں۔ حضرت امام ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ کہ وہ کسی صحابی یا تابعی کے الفاظ ہیں۔ اور العاقب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

''**وفی شرح مسلم قال ابن الاعرابی العاقب الذی یخلف فی الخیر من کان قبله**'' (مرقاۃ شرح مشکاۃ جلد۵ صفحہ ۳۷۶)

یعنی شرح مسلم میں ابن الاعرابی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ العاقب اسے کہتے ہیں جو نیکی میں اپنے سے پہلے کا قائمقام ہو۔

دوسرے اس کا یہ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے۔ کہ حضور کا دورِ نبوت قیامت تک ممتد ہے آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپ کے مبارک دور کو ختم کرنے والا ہو۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ کہ آپ کی شریعت مطہرہ قیامت تک کے لئے ہے۔

(۶) چھٹی حدیث مولانا مودودی صاحب نے ابن ماجہ کی **اَنَا آخِرُ الانبیاءِ وَ انتُمْ اٰخر الاُمَمْ** پیش کی ہے۔ اس کے راویوں میں سے بھی عبدالرحمٰن کے متعلق امام ابن معین کہتے ہیں۔ کہ وہ مجہول اشخاص سے نا قابلِ قبول باتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب) اس کے دوسرے راوی ابو رافع اسماعیل بن رافع کو امام احمد اور امام یحییٰ اور محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام دارقطنی اور امام نسائی نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام کی تمام روایات مشکوک ہیں۔ ابن معین۔ ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی وہ ضعیف ہے اور ابن حبان کا قول ہے کہ وہ احادیث کو تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب) اور روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ اس میں انبیاء سے مراد صرف وہ نبی ہیں جو شریعت جدیدہ لاتے اور نئی امت بناتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ آخری شارع نبی ہیں لہذا آپ کی اتباع اور فیض رُوحانی سے کسی امتی کا نبی ہونا آپ کے آخری نبی ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا اور نہ نئی امت بنائے گا بلکہ خود امتی ہوگا۔

اس طرح روایت لَانَبی بَعْدِی ولا اُمَّة بَعدَ اُمَّتِی جونمبر 13 اور روایت اِنِیّ اَخِرُالانبیاء وَاِنّ مَسْجَدِی آخِرُ المَساجدِ جونمبر 14 پر مولانا مودودی صاحب نے ذکر کی ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے۔ آخرالانبیاء کی تفسیر حضور کے فرمان آخرالمساجد سے خوب واضح ہو جاتی ہے۔ جس طرح مسجد نبوی کا مقام تمام مساجد کے آخر میں ہونا یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ آئندہ کوئی مسجد اس وقت تک مسجد نہیں کہلا سکتی۔ جب تک کہ وہ مسجد نبوی کے ماتحت نہ ہو۔ یعنی اگر اس کا بھی وہی قبلہ ہو جو مسجد نبوی کا ہے۔ تو مسجد ہے ورنہ نہیں۔ اس طرح آپ کے آخرالانبیاء ہونے کے یہ معنے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی ماتحتی میں تو نبی آ سکتا ہے لیکن جو حضور سے الگ ہو کر نیا قبلہ بنائے اور نئی شریعت چلائے۔ ایسا نبی قیامت تک نہ ہوگا۔

پس جس طرح مسجد نبوی کے ماتحت مسلمانوں کی مسجدیں بنتی ہیں۔ اور ان سے حدیث آخرالمساجد کا مضمون قائم رہتا ہے۔ اس طرح آنحضرت کی ماتحتی میں کسی نبی کے ہو جانے سے حضور کے آخرالانبیاء ہونے میں فرق نہیں آ سکتا۔ چنانچہ حضرت امام ملاعلیقاری نے لکھا ہے۔ کہ آپ کے خاتم النبین ہونے کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

آخر کے معنے

پھر عربی زبان میں آخر کا لفظ اس شخص کیلئے بھی بولا جاتا ہے جو اپنے فن میں منتہی ہو اور کمال رکھتا ہو۔ یعنی فقید المثال ہو۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت امام بن تیمیہؒ کو ان کے تبحر علمی کی وجہ سے ''آخرالمجتھدین'' لکھا ہے۔

(الاشباہ والنظائر جلد۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

اس طرح ایک حماسی شاعر کہتا ہے۔

شَرَیٰ ودی وَشکُرِی مِنْ بعیدٍ لِآخِرِ غالبٍ اَبَداً رَبِیع

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔

''ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی

غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کیلئے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے‘‘ (حماسہ باب الادب)

پس کسی جماعت یا گروہ کا آخر ہونے سے مراد عربی زبان میں اس کا فقید المثال اور بے نظیر ہونا مراد ہوتا ہے۔ اس طرح حضور سید عالم کے آخرالانبیاء ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام انبیاء کے پاک گروہ میں سب سے برتر عدیم المثال اور کامل واکمل فرد ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

بہر ایں خاتم شداست اوکہ بجود
مثلِ اونے بودنے خواہند بود

اس طرح اردو زبان میں بھی آخر کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر محمد اقبال فصیح الملک داغ دہلی کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

چل بسا داغ آہ میّت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعرِ جہاں آباد کا خاموش ہے

یہاں جناب داغ کو دِلّی کا آخری شاعر قرار دیا ہے اور آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

چل دیئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دِلّی ایک حاؔلی رہ گیا

(بانگ درا صفحہ ۵۷)

گویا آخری شاعر کے بعد حالی شاعرِ موجود بھی ہیں۔ اور قارئین خوب جانتے ہیں کہ جناب داغ کے بعد بہت سے شاعر ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

(۷) ساتویں حدیث اور اسی طرح دسویں حدیث جو مولانا مودودی صاحب نے پیش کی ہیں۔ ان میں ”لَا نَبِیّ بعدی“ کے الفاظ ہیں۔ اور لا نبی بعدی کے معنے جیسا کہ امام ملا علیقاری نے لکھا ہے یہ ہیں:۔

اس کے معنی نزدیک اہل علم (جاہل جو چاہیں کریں ناقل) یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لے کر نہیں آئے گا۔

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۳ والاشاعۃ فی اشراط الساعۃ)

اس طرح امام محمد طاہرؒ نے تکملہ مجمع البحار صفحہ 85 میں اس کے یہ معنے لکھے ہیں:۔

اَرَادَ لَانَبِیّ یَنْسِخُ شرعہٗ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قول سے مراد ایسا نبی ہے جوحضور علیہ السلام کی شریعت کا ناسخ ہو۔ حضرت شیخ محی الدین عربیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

''لَا نَبِیّ بعدی سے مراد یہ ہے کہ شریعت لانے والا کوئی نبی نہ ہوگا یہ نہیں کہ آپ کے بعد مطلق کوئی نبی نہ ہوگا۔''

(فتوحات مکیہ جلد۲ صفحہ۳ ترجمہ از عربی)

اور علامہ خطابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''اِذا هَلَکَ قَیصَرُ فَلاقَیصرَ بَعْدَه'' (کہ جب قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا) کے یہ معنی کئے ہیں۔ ''مَعنَاه فَلاقیصرَ بعدهٗ یَملِکُ مِثْلَ مَایَمْلِکُ هُوَ''

(فتح الباری جلد۶)

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جیسی وسیع سلطنت کا مالک کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قیصر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قیصر ہوا۔ مگر باپ کی طرح صاحب شکوہ نہ تھا۔

اسی طرح ایک مشہور قول ہے۔ لَافَتَی اِلّا عَلِیٌ. لَاسَیفَ اِلّا ذوالفقار، یہاں بھی وہی لَا ہے جو لَانَبِی بَعدِی میں ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت علیؓ جیسا شجاع کوئی جوان نہیں اور نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے۔ پس لَانَبِیّ بَعْدِی کے معنے یہ ہوں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم المرتبت اور جامع جمیع کمالات نبوت کوئی نبی نہیں ہے۔

مولانا کو بہت دُور کی سُوجھی

دسویں حدیث جس میں یہ ذکر ہے۔ کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں نگرانی کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ تو اس پر حضرت علیؓ نے حضور کیساتھ جانیکی خواہش کا اظہار کیا تو حضور نے فرمایا:۔

''اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هارُونَ مِنْ مُوسیٰ اِلَّااَنَّهٗ لَانَبِیّ بَعْدِی''

اے علی کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میرے خلیفہ بنو جیسے کہ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون ان کے خلیفہ بنے تھے۔ مگر ہاں اتنی بات ہے کہ تم میرے بعد

حضرت ہارون کی طرح نبی نہیں ہو گے صرف خلیفہ ہی رہو گے۔

مولانا مودودی صاحب اس واقعہ سے یہ نیا اور اچھوتا استدلال فرماتے ہیں کہ ''کہ حضور کے بعد تشریعی ہی نہیں بلکہ غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بھی بند ہے۔ کیونکہ حضرت ہارون غیر تشریعی نبی تھے۔ شریعت ان کو نہیں بلکہ حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی۔''

مولانا مودودی صاحب کو یہ بہت دور کی سوجھی ہے۔ جو پہلے کسی عالم کو نہیں سوجھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نہ خود اس واقعہ پر غور فرمایا ہے نہ علمائے سلف کی تحریرات اور تشریحات کو ملاحظہ کیا ہے۔ محققین علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ''بعدی'' سے مراد محض یہ ہے کہ میرے تبوک پر جانے کے بعد کوئی نہ ہوگا۔ اور اگر بَعْدِی کے معنے میری موت کے بعد کئے جائیں تو دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ اور نہ حضرت علیؓ کو حضرت ہارون سے تشبیہہ دینا درست ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وجہ شبہ ان دونوں مشبہ (حضرت علی) اور مشبہ بہ (حضرت ہاررون) کے مابین خلافت ہے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہی نہیں ہوئے۔ کیونکہ آپ حضرت موسیٰ سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری و فتح الباری شرح بخاری اور عینی جلد ۷ صفحہ ۶۳۴) لہذا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ اثبات خلافت تو زندگی کی حالت کا فرمائیں اور نبوت کا استثنا اپنی موت کے بعد کا۔

شیعہ صاحبان نے اسی معنوی غلطی کی وجہ سے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس حدیث کے مطابق آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حق خلافت حضرت علیؓ کا تھا۔ مگر شارحین حدیث نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ وفات کے بعد یہاں خلافت کا ذکر نہیں کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

(عینی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۳۶۴)

اسی طرح علامہ السندی نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ان کے فوت ہونے کے بعد نہیں ہوئے۔

(حاشیہ ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۲۸ مصری)

اور اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ ایک حدیث میں بالصراحت حضرت علیؓ سے خطاب کیا گیا ہے۔

"قَالَ عَلَیہِ السلَامُ یا عَلِیُّ اَمَاتَرْضٰی اَنْ تَکُونَ کھارون مِنْ موسٰی غیرَ انَّکَ لستَ نبیا قَالَ بَلٰی یارسُول اللّٰہ"

(طبقات کبیر لا بن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۵)

کہ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے خلیفہ بنو جیسے ہارون موسیٰ کے خلیفہ بنے تھے۔ مگر ہاں تم نبی نہیں ہو گے۔ اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ ہوئی کہ جب خلافت میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون کے ساتھ مشابہت دی گئی تو شبہ پڑتا تھا کہ حضرت ہارونؑ جو کہ نبی تھے ان کی طرح شاید حضرت علیؓ بھی خلیفہ ہونے کی صورت میں نبی ہوں گے اس لئے حضور علیہ السلام نے وضاحت فرما دی کہ تم میرے بعد (یعنی مدینہ سے تبوک کو جانے کے بعد) صرف خلیفہ یا امیر ہو گے نبی نہیں ہو گے اور یہاں بعد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے غیر موجودگی کا زمانہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے متعلق ذکر ہے۔

وَاتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ (بقر رکوع ۶) اور تم نے موسیٰ کے کوہ طور کے پاس جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا۔ بَعْدَہٗ سے مراد یہ ہرگز نہیں، کہ موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا۔ فافہم

(۸) آٹھویں حدیث سے مولانا نے یہ استدلال کیا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے لئے صرف اچھے خواب یا صالح خواب ہی رہ گئے ہیں۔ گویا کشف اور الہام اور وحی کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں حالانکہ یہ امر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی تحریرات کے صریح مُخالف ہے۔ اور ہم سوال نمبر 3 کے جواب میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اُمّت محمدیہ کے لئے وحی اور الہام، کشوف اور رؤیائے صالحہ کا دروازہ کھلا ہے اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ کے افراد ان انعامات کے مورد ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مبشّرات بھی ایک قسم کی نبوت ہے۔ جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نبوت کی اقسام میں سے ایک قسم مبشرات باقی ہے اور شارحینِ حدیث نے یہ تسلیم کیا

ہے کہ حضور کا رؤیا کی مثال دینا باعتبارِ عموم کے ہے ورنہ خواص کو اس سے بڑھ کر انعامات مل سکتے ہیں۔

علاّمہ سندیؒ ابن ماجہ کے حواشی میں اسی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''اَلْمُرَادُ اِنَّھَالَمْ تبقَ عَلَی الْعُمُوْمِ وَالَّافَالْاِلْھَامُ وَالْکَشَفُ لِلْاَوْلِیَاءِ مَوْ جُوْدٌ''

(حاشیہ ابن ماجہ جلد۲ صفحہ۲۳۲ مطبوعہ مصر)

یعنی مراد یہ ہے کہ علی العُموم نبوت سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے۔ورنہ اولیا کے لئے تو الہام اور کشف کا دروازہ بھی کھلا ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر کی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔اور امام ربانی مجدد الف ثانی اور سید محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ ائمہ کے اقوال سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس امت کے خواص اور کامل افراد کو وحی بھی ہوتی ہے۔اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ وحی مبشرات نیند اور غیر نیند دونوں حالتوں میں ہوتی ہے۔

''وَقَدْیَکُوْنُ وَحُیُ الْبَشَائِرِ اَیْضًا بِوَاسِطَۃِ مَلَکٍ''

(الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ۲۹۶)

اور کبھی وحی البشائر بواسط فرشتہ بھی ہوتی ہے۔اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی ایک قسم کا نام مبشرات رکھ کر بتایا کہ وہ باقی رہ گئی ہے اور تشریعی نبوت باقی نہیں رہی۔ اور مبشرات کی ادنیٰ قسم جو رؤیا تھی اس کا بطور مثال ذکر فرمادیا۔ بصورتِ صحت حدیث حضور کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ رؤیا کے سوا کسی کو ہرگز کشف نہ ہوگا اور نہ پہلے بزرگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھا یہ تو چودھویں صدی کا کرشمہ ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب جیسے حضرات جو الہام و وحی سے محروم ہیں۔ وہ ساری امت کو ان انعامات سے تہی دست خیال کرتے ہیں۔

(۹) نویں حدیث مولانا مودودی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے لکھ کر اسے غریب قرار دیا ہے۔اور لکھا ہے۔''لاتعرف اِلاّ من حدیث مشرح بن ھاعان'' کہ یہ حدیث

مشرع بن ہاعان ہی سے مروی ہے۔ اور مشرع بن ہاعان کے متعلق تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں بحوالہ امام بن حبان لکھا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے۔ اور جو حدیث صرف اسی کے واسطہ سے پہنچے اسے ترک کرنا مناسب ہے۔ اور حضرت امام علیقاری نے موضوعات کبیر صفحہ 69 میں اس حدیث کا ذکر کر کے لکھا ہے:۔ ''اگر حضرت عمر نبی ہو جاتے تو باوجود نبی ہونے کے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین میں سے ہوتے۔ اور خاتم النبین سے مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

لو کان بعدی نبی لکان عمر

کا صحیح مطلب

اصل بات یہ ہے کہ بَعدی کے معنے پر غور نہیں کیا گیا۔ عربی زبان میں بعد کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کبھی یہ معیت کے معنوں میں آتا ہے چنانچہ اقرب الموارد میں جو عربی زبان کی مشہور ڈکشنری ہے لکھا ہے:۔ ''**بعدُ نقیضُ قبلُ وَقَدْ یردُ بمعنی مَعُ**'' بعد قبل کی نقیض ہے اور کبھی یہ مَع کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر میں بمعنی مع استعمال ہوا ہے۔

فقلت لھا فیئی الیک فَاِنّی حرامٌ وانّی بعدَذاکَ لبیبُ

اس لحاظ سے حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔

(۲) کبھی بعد کا لفظ درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔

"**واجود هم من بعدی رجل علم علمافنشره**"

(مشکوٰۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۹)

پھر میرے بعد درجہ مرتبہ کے لحاظ سے بنی آدم میں سے سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علم سیکھا اور لوگوں میں پھیلا دیا۔

(۳) اس کے علاوہ بعد کا لفظ غیر اور سویٰ کے معنوں میں بھی آیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

"وَمَایُمسِکُ فَلامُرسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِہٖ" (فاطر رکوع ۱)

یعنی جس خیر کو اللہ تعالیٰ روک لے تو اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ اور تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۹ مطبوعہ مصر میں آیت لَا یَنْبَغِی لِاَحَدٍ مِنْ بعدی کی تفسیر میں بعدی کے معنے سوائی (میرے سوا) لکھے ہیں اور آیت فَمَنْ یَھْدِیہِ مِنْ بَعدِاللّٰہِ کے معنی بھی اللہ کے سوا کے ہیں۔

پس بعد کے ان دونوں معنوں کے لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے سوائے کوئی اور نبی بنایا جاتا۔ تو حضرت عمرؓ اس کے لائق تھے۔ کہ وہ نبی ہوتے اور احادیث میں حضرت عمرؓ کے بعض آراء کے متعلق ذکر آتا ہے۔ کہ وہ بالکل قرآن مجید کے موافق ثابت ہوئیں۔

اور اس سے آنحضرت صلعم کا مقصد صرف حضرت عمرؓ کی تعریف کا اظہار ہے۔ کہ وہ بہت صائب الرائے اور عالی دماغ ہیں۔ اس میں ختم نبوت کا اظہار مقصود نہیں چنانچہ ان معنوں کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لولَمْ اُبْعَثُ لَبُعِثْتَ یَاعُمَرُ"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹)

کہ اے عمر اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو تم مبعوث کئے جاتے۔ دوسری روایت میں ہے۔ "لولَم أبعَث لَبُعِثَ عُمُرَ فیکُم" (کنوز الحقائق صفحہ ۱۰۳)

اے لوگو اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو عمر تم میں مبعوث کئے جاتے۔ اور تاریخ الخلفاء میں امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے اور کنوز الحقائق میں یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے۔ " لَولَمْ ابعث لَبُعِثَ بعدی عمَرُ" کہ اگر میں نہ بھیجا جاتا تو عمر نبی بنا کر مبعوث کیا جاتا۔ اس روایت نے بعدی کے معنے بھی حل کر دیئے کہ

بعد سے مراد آپ کی وفات کے بعد نہیں بلکہ اس کے معنے ہیں۔ آپ کے مبعوث نہ ہونیکی صورت میں حضرت عمر مبعوث کئے جاتے۔

(۱۰) دسویں حدیث کا جواب نمبر 7 کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۱۱) گیارہویں حدیث مولانا نے بحوالہ ابوداؤد وترمذی یہ پیش کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے بعد، تیس یا تیس کے قریب کذّاب دجال ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

خط کشیدہ الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔ اور ترمذی کی اسناد میں ابوقلابہ راوی نا قابلِ اعتبار ہے۔ وہ فقیہہ نہ تھا اور لوگوں میں ابلہ مشہور تھا۔ اور وہ جن سے ملا اور جن سے نہ ملا دونوں کے متعلق تدریس کیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب)

ترمذی نے اس طریق کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ لیکن اس میں عبدالرزاق ایک راوی ہے جو شیعہ تھا۔ جو امام نسائی کے نزدیک نا قابل اعتماد اور عباس عنبری کے نزدیک وہ کذاب تھا۔ اور حدیثوں کا چور تھا۔ (تہذیب التہذیب) پھر یہ روایت اس نے معمر سے بیان کی ہے اور میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ ان روایات میں غلطی کرتا تھا۔ جو معمر سے لینا بیان کرتا تھا۔ ابن یمینہ کہتے ہیں۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا** (میزان الاعتدال) اس طرح یہ روایت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ اور ایک روایت میں عبداللہ بن عمر سے ستر کذاب کا آنا بھی مروی ہے۔ جن کے متعلق نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: ۔'' درحدیث ابن عمر سی کذاب .... دور روایت از عبداللہ بن عمر نزد طبرانی است بر پائمی شود ساعت تا آنکہ بیروں آید ہفتاد کذاب ونحوہ عند ابی لیعلیٰ من حدیث انس۔ حافظ ابن حجر گفتہ سند ایں ہر دو حدیث ضعیف است۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۲۲۳)

باوجود یہ کہ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔ اگر اسے صحیح بھی تسلیم کیا جائے پھر بھی اس حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک جو

شخص بھی نبوت کا دعوی کرے وہ ضرور جھوٹا ہے کیونکہ آنے والے مسیح موعود کو خُود حضور نے نبی اللہ کے معزز لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم) اور تیس کی تعین بھی بتا رہی ہے کہ کوئی سچّا بھی آ سکتا ہے۔

دوسرے اس حدیث کا مضمون آج سے قریباً پانچ سو سال پہلے پورا ہو چکا ہے۔ اور مذکورہ تیس دجال سب گذر چکے ہیں۔ جیسا کہ شرح مسلم میں لکھا ہے۔

فَاِنَّهٗ لَوْعُدَّ مَنْ تنبأَ مِنْ زَمِنِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَبَلَغَ هٰذَاالْعَدَدَ الخ

کہ اگر کوئی جھوٹی نبوت کے دعویداروں کا شمار کیا جائے تو تیس کی یہ تعداد پوری ہو چکی ہے اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اسے جانتا ہے اگر شرح کے لمبا ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان کے نام بھی لکھ دیتے۔ (شرح مسلم لابی، لکی، سنوسی جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ مصر)

حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دعوٰی سے پہلے نواب صدیق حسن خان اپنی مشہور کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:۔

''بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجُود دجالین کذابین دریں امت فرمودہ واقع شد'' (حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۹)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس امت میں کذاب دجالوں کے آنے کی خبر دی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ پس باوجود یہ کہ تیس کذابوں کی پیش گوئی اب سے مدتوں پہلے پوری ہو چکی ہے اور اب سچے نبی کی آمد کا وقت تھا۔ کیونکہ کاذب کے بعد ہمیشہ صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے جناب مولانا مودودی صاحب اور آنجناب کے دل ودماغ سے مناسبت رکھنے والوں کی طبیعتیں اُمت محمدیہ میں دجالوں اور کذابوں کے ظہور کی تمنّا سے خالی نہ ہو سکیں۔ آنے والے مسیح موعود حضرت بانئے جماعت احمدیہ نے ایسے حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

''بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں میں لکھا ہے، کہ تیس دجّال آئیں گے۔ اے بدقسمت قوم! کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے۔ جس

طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہوگئیں اور بیرونی حملے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔صدی کے سر پر جو مجدّد آیا کرتے تھے وہ بات شاید نعوذ باللہ خدا کو بھول گئی۔ کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔تم خاک میں مل گئے مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔تم بدعات میں ڈوب گئے۔مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔تم میں سے روحانیت جاتی رہی۔ صدق وصفا کی بُو نہ رہی۔ سچ کہو۔ اب تم میں روحانیت کہاں ہے۔ خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے صرف زبان کی چالاکی اور شرارت امیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے۔خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔

''ہائے افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہ کیا۔ وہ کیسی تیرہ وتاریک آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ میں ان کو نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہیں۔ اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کر دیں، دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو اُٹھ کر نماز میں دعا کریں۔ اور روئیں اور نعرے ماریں تو امید ہے کہ خدائے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ مَیں کون ہوں ۔ چاہیئے کہ خدا کے استغنائے ذاتی سے ڈریں۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۱۴۵، ۱۴۷)

بارہویں حدیث مولانا مودودی صاحب نے بحوالہ بخاری یہ پیش کی ہے۔ **لقد كان فيمن كان قبلكم من بنى اسرائيل رجال يكلّمون من غير ان يكونوا انبياء فان يكن من امتى احد فعمر** (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں مکلمون کی بجائے محدثون کا لفظ ہے۔مگر مکلم اور محدث کے معنے ایک ہی ہیں کہ بنی اسرائیل میں جو تم

سے پہلے گذرے ہیں ایسے لوگ تھے جن سے کلام کیا جاتا تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں اگر میری امت میں سے کوئی ہوا تو عُمرؓ ہوگا۔ مولانا یہ ترجمہ کر کے لکھتے ہیں:۔

''اس سے معلوم ہوا کہ نبی ہی نہیں مکلم اور محدث بھی اب کوئی نہیں ہوسکتا۔ مولانا مودودی صاحب جیسے خشک منطقی اور عالم روحانیت سے بے بہرہ محض ہی ایسا کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم پر دل وجان سے عمل کرنے والے اس لائق نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو۔ فرشتے انہیں الہام کریں۔ گو بنی اسرائیل میں کئی ایسے بزرگ مرد اور عورتیں ہوئیں۔ جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوا۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوا۔ مگر اسلام میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو اور اسے اپنے لذیذ اور پُرشوکت کلام سے مشرف کرے۔ یہ ہے عقیدہ مولانا مودودی صاحب کا جو اپنے آپ کو نبض شناس رسول اور مصلح اعظم اور نہ معلوم کیا کیا کچھ خیال کرتے ہیں۔ اور اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ وہ باوجود دعویٰ اصلاح کے روحانی انعامات کشوف اور مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے محروم ہیں۔ ورنہ جس شخص سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوتا ہو۔ وہ اس حدیث کا یہ مطلب کیونکر لے سکتا ہو۔ کہ اُمت محمدیہ میں کوئی مکلم اور محدث بھی نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ شارحین حدیث نے اس کی تشریح میں صاف لکھا ہے:۔'' **فان یک لیس الشک فان امته افضل الامم واذاکان موجودا فیھم فبالاولیٰ ان یکون فی ھٰذہ الامة بل للتاکید.''**

(حاشیہ بر بخاری بحوالہ کرمانی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اگر میری امت میں کوئی مکلم یا محدث ہوا۔ شک پر معمول نہیں کیونکہ آپ کی امت سب امتوں سے افضل ہے۔ جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ موجود تھے۔ تو اس امت میں ایسے اشخاص کا پایا جانا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔ بلکہ یہ الفاظ تاکید کے معنے دیتے ہیں کہ ایسا ضرور ہوگا۔

اسی طرح عربی زبان میں کہتے ہیں اَن **یکن لی صدیق فانہ فلان** یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے تو وہ فلاں شخص ہے۔ اس سے مراد اس شخص کی کمال دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں مکلّم ومحدث ہوئے۔ اور میری امت میں بھی ضرور ہونگے۔ چنانچہ عُمر یقیناً ان میں سے ایک ہے۔ چنانچہ محققین علماء نے اس حدیث کے یہی معنی کئے ہیں اور حضرت عُمرؓ کو محدث قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابن الاثیر جنہوں نے ''النھایہ'' حدیث کی ڈکشنری لکھی ہے۔ وہ فقط محدث کی تشریح میں اس حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت عُمر بھی ان میں سے ایک ہیں جنہیں الہام کیا جاتا ہے۔

> ''اس طرح حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی فرماتے ہیں:۔ **اعلم ایھا الاخ الصدیق ان کلامه سبحانه مع البشر قد یکون شفاھا** الخ یعنی اے محترم بھائی جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا کبھی بالمشافہ ہوتا ہے۔ اور یہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بطور اتباع اور وراثت کے ہوجاتا ہے۔ اور جب اس قسم کا کلام کثرت سے کسی کے ساتھ ہوتو اس کا نام محدث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عُمرؓ تھے۔'' ....
>
> (مکتوبات امام ربانی جلدنمبر۲صفحہ۹۹)

علماء ربانی تو حضرت عمرؓ کو محدث اور مکلّم قرار دیتے ہیں اور نہایت واضح الفاظ میں امت محمدیہ کے بعض افراد کا مکالمہ ومخاطبہ الہیہ سے مشرف ہونا اور مکلّم ومحدث ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن برخلاف ان کے چودھویں صدی کے مولانا مودودی صاحب نہ صرف حضرت عمرؓ کے مکلّم ومحدث ہونے سے انکاری ہیں۔ بلکہ وہ اپنے دل میں اس نئے اور اچھوتے استدلال پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں۔

> ''نبی ہی نہیں بلکہ مکلّم اور محدث بھی کوئی نہیں ہوسکتا۔''

لیکن وہ مصلح ربّانی جسے خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کیلئے اور اسلام اور قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی دنیا میں عظمت قائم کرنے کے لئے بھیجا یعنی حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ فرماتے ہیں۔

''خدا تعالی امت محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر قائم اور ثابت ہے۔ ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے ملہم ہوکر ایسے امور غیبیہ بتاتے ہیں جن کا بتانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں....

اور خدا تعالیٰ اس پاک الہام کو اپنے ایمانداروں کو عطا کرتا ہے۔ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں دوسروں کو یہ الہام یعنی یہودیوں، عیسائیوں ، آریوں، براہمنوں وغیرہ کو ہر گز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ قرآن شریف کے کامل تابعین کو ہوتا رہاہے۔اور اب بھی ہوتا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔''

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۱۵ حاشیہ نمبر ۱۱)

اور فرماتے ہیں:۔'' اور جو شربت موسیٰ اور مسیح کو پلایا گیا۔ وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے اور نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نوران میں روشن ہیں بنی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۲۴۷)

اور فرماتے ہیں۔

''اور وہ خاتم الانبیاء بنے۔ مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ ان سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے۔ بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کی امت کے لئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی

مل سکتی ہے۔ جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔ اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے امت کو ناقص حالت میں چھوڑنا نہیں چاہا۔ اور ان پر وحی کا دروازہ جو حصول معرفت کی اصل جڑھ ہے۔ بند رہنا گوارا نہیں کیا۔ ہاں اپنی ختمِ رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے اور جو شخص امتی نہ ہو۔ اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷، ۲۸)

ہم نے تمام ان حدیثوں پر جو مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ نمبر 4 کے ذیل میں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی تھیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اختصار کے ساتھ تبصرہ کر دیا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ قارئین کرام پر اُس مختصر تبصرہ سے مولانا مودودی صاحب کے استدلال کی غلطی واضح ہو جائے گی۔

ضمیمہ نمبر 5 پر تبصرہ

مفسرین کے اقوال

مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ نمبر 5 میں اقوال مفسرین پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی موجودگی میں کسی عالم کا قول اگر وہ کلام اللہ صلعم اور کلام رسول کے مخالف ہے قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں۔ کہ یہاں یہ بات نہیں۔ علمائے امت کے اقوال سے بھی ہر قسم کی نبوت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہونا لازم نہیں آتا۔

مفسرین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ ظاہر ہوں گے اور وہ نبی ہوں گے۔ اور انکا نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہ آپ کی شریعت پر عامل ہوں گے۔ اور ان کا قبلہ آپ کا ہی

قبلہ ہوگا۔ اور آپ کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہومولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ اقوال میں سے قول نمبر 3 علامہ زمخشری کا قول اور نمبر 5 قاضی بیضاوی کل قول اور نمبر 6 حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی صاحب مدارک التنزیل کا قول اور نمبر 9 علامہ جلال الدین السیوطیؒ صاحب تفسیر الجلالین کا قول اور نمبر 10 شیخ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان کا قول۔

ظاہر ہے کہ اگر خاتم النبیّین سے مراد ہر قسم کے نبیوں کے ظہور کا انقطاع ہے۔تو قدیم نبیوں میں سے بھی کوئی نبی۔آپ کے بعد نہیں آنا چاہئے۔لیکن تمام مفسرین بالاتفاق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود آئے گا۔ اور وہ نبی ہوگا۔بعض مفسرین کا یہ استدلال خاتم النبین سے مراد یہ ہے کہ آئندہ کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا۔البتہ پرانا نبی آسکتا ہے۔ایک نہایت ہی غیر معقول استدلال ہے۔کیونکہ خاتم النبین کے اگر یہی معنی ہیں کہ آپ نبیوں کے بایں معنی ختم کرنے والے ہیں۔کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ ہوگا۔ تو آپ کے بعد کوئی نیا نبی ہو یا پرانا نہیں آسکتا۔لیکن مفسّرین اور خود مولانا مودودی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسٰی آئیں گے اور وہ نبی ہونگے۔

علماء نے کس قسم کی نبوّت کو بند سمجھا

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔کہ علماء کے نزدیک نبی اور رسول کی تعریف کیا ہے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء آئے ان کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وہ فرشتہ کے سامنے شاگرد کی مانند ہوتے تھے۔اور روح الامین ان کے پاس شریعت لاتا تھا۔جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے۔

"فیحل لھم ماشاء ویحرم علیھم ماشاء ومایلزمھم اتباع الرسل"

یعنی وہ ان کے لئے جو چاہتا حلال کرتا اور جو چاہتا حرام کرتا اوران پر دوسرے رسولوں کی اتباع لازم نہیں تھی۔(الیاقیت والجواہر جلد۲ صفحہ ۳۸)

اور نیز اس شرح شرح عقائد النسفی صفحہ 89 میں رسول کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

''رسول ایک انسان ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجتا ہے اور کبھی اس کے لئے کتاب لانا بھی شرط ہوتا ہے۔ بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے کتاب لائے یا نہ لائے۔

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں:۔

''باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام مامور میشوند بہ تبلیغ احکام بسوئے خواص وعام ..... کہ از جانب حق جل وعلا بطریق وحی یا الہام امر تبلیغ احکام بایشاں برسد'' (منصب امامت صفحہ ۸)

اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ لکھی گئی ہے۔

''ھو من له الکتاب او نسخ لبعض الاحکام الشریعة السابقة.''

(شرح مقاصد جلد ا صفحہ ۱۲۸)

کہ رسول وہ ہوتا ہے۔ جو صاحب کتاب ہو۔ یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ اور اس تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے نبی ہونے سے بکرات ومرات انکار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''مگر چونکہ اسلام (یعنی اہل اسلام ناقل) کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہئے۔ کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی رسول بجز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے''

(الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹ ۱۸۹۹ء)

پس جن علمائے سابق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے۔ وہ صرف مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے کیا ہے۔

مسیلمہ کذاب وغیرہ کی مثالیں

مذکورہ بالا بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جن علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اور رسول کی آمد بند سمجھی ہے۔ انہوں نے مسیلمہ کذاب وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ خفاجی نے شفا کی شرح میں مسیلمہ اور اسود عنسی کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ علماء جس قسم کی نبوت کو بند خیال کرتے تھے۔ وہ وہی نبوت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے نہ ہو بلکہ مسیلمہ کذاب کی نبوت جیسی ہو۔

مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوّت کا دعوٰی کیا

مسیلمہ کذاب کس قسم کی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے متعلق نوب صدیق حسن خاں مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور شراب اور زنا کو حلال قرار دیا۔ فریضۂ نماز کو ساقط کر دیا۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں سورتیں لکھیں پر شریر اور مفسد لوگوں کا گروہ اس کا تابع ہو گیا۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۴ ترجمہ از فارسی)

اسی طرح جب خالد بن ولیدؓ ایک دوسرے مدعی نبوت طلیحہ کی طرف لشکر لے کر گئے تو آپ نے اس سے کہا۔ ہمارے خلیفہ کی ہمیں یہی وصیّت ہے کہ تمہیں کلمہ شہادت کی طرف بلائیں تو اس نے جواب میں کہا۔ اے خالد ''اشھد ان لاالٰہ الّا اللہ وانی رسول اللہ''

(المساوی والمحاسن جلد ا صفحہ ۲۳)

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں خدا کا رسول ہوں۔ گویا اس نے اپنا نیا کلمہ جاری کر دیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے قریب یا معاً بعد مسیلمہ کذاب اور طلیحہ بن خویلد اور اسود عنسی وغیرہ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلیۃً بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ اور ان سے جنگ کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عمال کو قتل کیا۔ اور ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور بہت سے مقامات پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

''قریش اور ثقیف دو قبیلے تھے جو ارتداد سے بچے اور مسیلمہ کا معاملہ بہت قوت پکڑ گیا۔ اور قبیلہ طیؔ اور اسد نے طلیحہ بن خویلد کی اطاعت قبول کرلی۔ عظفان نے بھی ارتداو اختیار کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر یمن اور یمامہ وغیرہ علاقوں سے واپس لوٹے اور رپورٹ کی۔ کہ عرب کے بڑوں اور چھوٹوں نے اطاعت سے انکار کردیا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد۲ صفحہ ۶۵ ترجمہ از عربی عبارت)

اب ہم مسیلمہ کذاب کے متعلق تاریخ طبری مترجم اردو مطبوعہ حیدآباد دکن کے حصہ اول جلد چہارم سے چند کوائف لکھتے ہیں

(الف) اس نے بغاوت کی تھی۔ صفحہ نمبر 93

(ب) چالیس ہزار کا جرّار لشکر تیار کیا تھا۔ صفحہ نمبر 71

(ج) اس نے کہا کہ میں اپنی اور سجاح کی فوج کے ساتھ تمام عرب پر قبضہ کروں گا۔ صفحہ نمبر 71

(د) اسلامی حکومت کے اندر یمامہ میں خود خراج وصول کرتا تھا۔ صفحہ نمبر 71

(ہ) مسیلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں ایک خط لکھا جس میں لکھا۔ کہ آدھا ملک میرا ہے اور آدھا ملک آپ کا لیکن قریش حد سے بڑھ جانے والی قوم ہے۔ (طبری مترجم اردو جلد اول حصہ سوم صفحہ ۵۲۹)

(ر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حجر اور یمامہ سے آپ کے مقرر کردہ والی ثمامہ بن اثال کو نکال دیا اور خود اس علاقہ کا حاکم بن گیا۔

(تاریخ الخمیس جلد۲ صفحہ ۱۷۷)

(ز) مدنی صحابیوں کو مرتد ہونے پر مجبور کیا۔ حضرت حبیب بن زید نے مرتد ہونے سے انکار کیا۔ تو مسیلمہ نے انکے اعضاء کو کاٹ کر آگ میں جلا دیا۔ (تاریخ الخمیس جلد۲ صفحہ۲۴۱)

(ح) اس نے اپنے پیروؤں کو نماز معاف کر دی۔ شراب حلال کر دی۔ زنا کو جائز قرار دیا۔

(طبری مترجم جلد اول حصہ سوم صفحہ۱۲۱ ۵ نیز سیرۃ ابن ہشام مترجم اردو مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور صفحہ۴۶۴)

لیکن باوجود ان سب حقائق کے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

1 -''معتبر روایات سے یہ ثابت ہے۔ کہ مسیلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ آپ کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ البتہ خود اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ مگر اس کے باوجود کافر اور خارج از ملت قرار دیا گیا۔

(۲) تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ بنوحنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے۔ مگر اس نیک نیتی کے باوجود صحابہ کرام نے بنوحنیفہ کو مسلمان تسلیم نہیں کیا اور ان پر فوج کشی کی۔

(۳) مسیلمہ اور بنوحنیفہ کے خلاف صحابہ کرام کی جنگ کرنے کی وجہ نبوت تھی، بر بنائے خروج وبغاوت کیونکہ مسیلمہ کے پیروؤں کے خلاف فوج کشی کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکر نے یہ اعلان فرما دیا تھا۔ '' ان یبی النساء و لایقبل من احد غیر الاسلام'' ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔ اور ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی۔''

کیا مسیلمہ کبھی مسلمان ہوا تھا!

صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ کہ مسیلمہ ہرگز مسلمان نہیں ہوا اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ ابن کثیر نے صحیح بخاری کی دو روائتیں نقل کی ہیں۔ جن میں یہ ذکر ہے۔ کہ مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں بہت سے لوگوں کو لے کر مدینہ منوّرہ آیا۔ اور کہنے لگا:

"ان یجعل لی محمد الامر من بعده بتعته" (البدایہ والنہایۃ جلد۵ صفحہ۴۹)

اور دوسری روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس سے ملے تو اس نے کہا: ان شئت خلیت بیننا ء بین الامر ثم جعلتهٔ لنا بعدک".

(الہدایہ والنہایہ جلد۵ صفحہ ۵۰)

یعنی اگر آپ یہ وصیّت کر دیں کہ آپ کے بعد خلافت وحکومت مسیلمہ کی ہوگی تو وہ آپ کی پیروی کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور مسلمان ہو جائے گا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے یہ بات کہی اس وقت آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی آپ نے اسے یہ جواب دیا کہ اگر تو کھجور کی یہ شاخ بھی مجھ سے مانگے تو میں تجھے نہ دوں گا۔ اور اگر تو نے پیٹھ پھیری تو خدا تجھے ہلاک کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ نے جو مجھے دکھایا ہے وہ تیرے بارہ میں ہے۔ آپ اتنی بات کہہ کر تشریف لے گئے جب حضرت ابن عباس نے اس رؤیا کے متعلق دریافت کیا۔ تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ جس سے مجھے بہت فکر دامنگیر ہوئی تو مجھے خواب میں وحی کی گئی۔ کہ انہیں پھونک مارو۔ جب میں نے پھونک ماری تو دونوں اڑ گئے اور میں نے ان کی یہ تاویل کی۔ کہ دو کذاب میرے خلاف کھڑے ہوں گے ان میں سے ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ۔

صحیح بخاری کی یہ احادیث صاف بتاتی ہیں۔ کہ مسیلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے جو شرط لگائی تھی۔ وہ آپ نے تسلیم نہیں کی اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے یہ علم دے دیا تھا کہ یہ شخص کذاب ہوگا اور آخر کار ہلاک ہوگا۔ پس نہ اس نے حضور کی بیعت کی اور نہ آپ کی رسالت پر ایمان لایا۔

پھر ابن کثیر نے ابن اسحاق کی دو روایتیں درج کی ہیں کہ مسیلمہ کو رحمٰن الیمامہ کہتے تھے اور جب وہ قتل کیا گیا اس وقت اس کی عمر ایک سو پچاس سال تھی۔ اور یہ کہ اس کے پاس

پہاڑ سے ایک بکری آتی تھی جس کا وہ دودھ دوہا کرتا تھا۔

دوسری روایت بنوحنیفہ کے ایک شیخ سے روایت کی ہے۔جس کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ مسیلمہ نے شراب اور زنا کو حلال قرار دیا اور ان سے نماز معاف کردی ''وھو مع ھٰذا شھدلرسول اللّٰہ بانہ نبی'' اور باوجود اس کے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ وہ نبی ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد۲ صفحہ۵۱)

یہ دونوں روایتیں نا قابل اعتبار اور ضعیف ہیں۔کون عقلمند مان سکتا ہے کہ مسیلمہ کی عمر اس وقت ایک سو پچاس سال تھی۔ اس نے جس رنگ میں کمانڈ کی اور خود لڑا اور سجاع سے اس کی شادی اور اس کے قتل کا واقعہ صاف بتا رہے ہیں۔ کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ مولانا مودودی صاحب ایسی روایات کو معتبر قرار دیں تو دیا کریں لیکن کوئی ان روایات کی حقیقت سے واقف انہیں کسی طرح معتبر قرار نہیں دے سکتا چنانچہ علاّمہ قسطلانی اپنی کتاب مواہب اللدنیہ میں صحیح بخاری کی پہلی روایات درج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ ابن اسحاق کی روایت کے مخالف ہیں۔اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب اسلام نہیں لایا تھا۔

''فالجواب ان المصیر الی مافی الصحیح اولٰی''

کہ صحیح بخاری میں جو آیا ہے اس کی طرف رجوع کرنا اولٰی ہے اور علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی مواہب اللدینہ کی شرح میں اس پر لکھتے ہیں۔

''الصحۃ اسنادہ بخلاف خبر ابن اسحاق فضیعف منقطِع ولم یسم راویہ''

کیونکہ بخاری کی حدیث کی اسناد صحیح ہے اور برخلاف اس کے ابن اسحاق کی روایت ضعیف اور منقطع ہے۔کیونکہ اس نے اس کے راوی کا نام نہیں لیا۔

(زرقانی شرح مواہب جلد۴ صفحہ۲۴،۲۵)

اور حافظ ابن حجر العسقلانی بخاری کی شرح میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

ویستفاد من ھذہ القصۃ الامام یاتی بنفسہ الی من قدم یرید لقاء ہ من الکفار'' (فتح الباری جلد۸ صفحہ۶۵)

کہ اس واقعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ کفار میں سے جو ملاقات کے لئے آئے تو امام اس کے پاس خود جا کر مل سکتا ہے۔ اگر مسیلمہ کذاب اس وقت کافر نہ ہوتا تو اس واقعہ سے اس مسئلہ کا استنباط درست نہیں ہوسکتا۔ الغرض صحیح بخاری کی احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے وقت کافر تھا۔ اور اس کے بعد اس کا اسلام لانا ثابت نہیں۔

مسیلمہ کذاب کا خط

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے اس کا وہ خط پیش کیا ہے جو اس نے آنحضرت صلعم کو لکھا تھا۔ اور آپ نے اس کے الفاظ فانی قد اشرکت فی الامر معک کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کہ میں آپ کے ساتھ امر نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ گو بعض نے ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امر سے اس کی مراد حکومت تھی۔ ورنہ نبوت میں تو شراکت کے کوئی معنے ہی نہیں۔ اور مسیلمہ کذاب نے اپنے خط میں اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ کہ آدھا ملک ہمارا ہے اور آدھا ملک آپ کا لیکن قریش حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اور اس کا جو جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ وہ یہ تھا "ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین" کہ زمین کا مالک تو اللہ ہی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث کر دیتا ہے اور انجام متقیوں کے لئے ہے۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ امر سے اس کی مراد حکومت کے معاملہ میں شراکت تھی۔ کیونکہ نبوت تو اس کے نزدیک حصول حکومت کا صرف ایک ذریعہ تھی۔ اور مودودی صاحب نے خط کے آخری حصہ کا اسی لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ ان کے مفید مطلب نہیں تھا۔

علامہ ابن کثیر نے خط کا جو مضمون لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"فانی قد شرکت فی الامر معک فان لنا نصف الامر ولقریش نصف الامر"

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۵۱)

اور یعنی نصف امر ہمارا ہے اور نصف امر قریش کا اور اس سے یکساں صفائی ظاہر ہے کہ امر سے مراد حکومت ہی تھی ایک اور روایت میں امر کی جگہ ارض کا لفظ ہے۔ یعنی آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی اسی طرح بخاری کی حدیث میں مسیلمہ کے یہ الفاظ بھی کہ

"ان جعل لی محمد الامر من بعده تبعته" (البدایہ والنہایہ جلد۵ صفحہ۴۹)

یعنی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امر کو اپنے بعد میرے لئے کر دیں تو میں اس کی پیروی کرسکتا ہوں۔ صاف بتا رہا ہے کہ امر سے اس کی مراد حکومت وخلافت تھی نہ کہ نبوت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے اس کے لئے کر دینے کے کوئی معنے نہیں۔ مسیلمہ کذاب کے من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ لکھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔ ورنہ فی الحقیقت تو وہ خود اپنے آپ کو بھی نبی کہاں سمجھتا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی سمجھتا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لحاظ سے رسول اللہ کہا ہے جس لحاظ سے اپنے آپ کو رسول اللہ کہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو درجہ اور مرتبہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ نہ اس لئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی اللہ کا رسول مانتا تھا مگر جناب مولانا مودودی صاحب کو اصرار ہے کہ اس کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر نبوت کا تھا۔ اور جناب مولانا کا یہ اصرار اس لئے ہے۔ کہ مسیلمہ نے اپنے خط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ لکھا تھا۔ وہ مندرجہ بالا تحریروں اور مسیلمہ کی عالم آشکار کرتوتوں سے ظاہر ہے۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں۔ کہ منافقین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دیتے تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ **"واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون"**

کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین اس دعویٰ میں کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں یقیناً جھوٹے ہیں۔ اسی طرح یہود کا قول قرآن مجید میں درج ہے۔ **"انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ"**

کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے ورنہ قتل کیوں کرتے۔ اسی رنگ میں مسیلمہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ لکھ دیا ورنہ فی الحقیقت وہ آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول نہیں مانتا تھا۔

اس امر کی صداقت ابن النواحہ اور ابن اثال کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو مسیلمہ کذاب کا مذکورہ بالا خط لے کر آئے تھے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا تھا تو اس کے دونوں ایلچی بھی آنحضرت صلعم کی رسالت کے قائل ہوتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: **اتشهد ان انی رسول الله** کیا تم دونوں گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ''**فقالا تشهد ان مسيلمة رسول الله فقال رسول الله آمنت بالله ورسله ولو كنت قاتلا رسولا لقتلتكما**'' (البدایہ والنہایہ جلد۵ صفحہ۵۲)

تو دونوں نے جواباً کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور اگر میں کسی سفیر یا ایلچی کو قتل کرتا تو تمہیں ضرور قتل کر دیتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ رکھتے تھے۔

(۲) مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے مگر اس نیک نیتی کے باوجود صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہ کیا۔ اس میں نیک نیتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ اس کے وہ پیرو جو پہلے مسلمان بھی تھے مرتد ہو چکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ اور نمازیں چھوڑ چکے تھے اور شراب وزنا کو جائز خیال کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کے مقابلے میں مسیلمہ کی خرافات کو پیش کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُؤا اتار کر اپنی آزاد بادشاہت کا اعلان کر چکے تھے۔ اور ان کی نیک نیتی کا یہ حال تھا۔ کہ اس کے پیرو طلحۃ النمیری نے جب مسیلمہ سے گفتگو کرنے کے بعد کہا تو ہے تو جھوٹا اور محمد صادق ہے۔ '' **ولكن كذاب ربيعة احب الينامن صادق مضر**''

(طبری جلد۳ صفحہ۲۲۶ مطبوعہ حسینیہ مصر)

لیکن ربیعہ کا کذاب ہمیں قبیلہ مضر کے صادق سے زیادہ پسند ہے۔ پھر مسیلمہ

کذاب کے پیروؤں کی نیک نیتی دجال بن عنفوہ کے حال سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس کے متعلق خود مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔کہ'' اس نے بنوحنیفہ کو یقین دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو شریک فی الامر کیا ہے۔ نیز جو قرآن ان کو یاد تھا۔ اسے اس شخص نے مسیلمہ پر نازل شدہ کلام کی حیثیت سے بنوحنیفہ کے سامنے پیش کیا۔''

ما شاء اللہ اس قسم کے جھوٹے اور کذاب شخص ہیں جو مسیلمہ کے پیرو تھے جن کے متعلق مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

(۳) مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ مسیلمہ اور بنوحنیفہ کے خلاف صحابہ کرام کی جنگ بر بنائے دعویٰ نبوت تھی نہ خروج بغاوت کیونکہ مسیلمہ کے پیروؤں کے خلاف فوج کشی کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکرؓ نے یہ اعلان فرما دیا تھا۔ '' **ان لیسبی النساء و لا یقبل من احد غیر الاسلام**''

ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا جائے گا اور ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی'' (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۶)

مولانا مودودی صاحب کی یہ دیدہ دلیری تعجب انگیز ہے۔ اگر ان کے متعلق چہ دلاوراست والی مثال استعمال کی جائے تو بالکل بجا ہوگا۔ یہ خط ہرگز ہرگز مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کے متعلق نہیں لکھا گیا تھا۔ البدایہ والنہایہ میں یہ لکھا ہے۔ کہ سب لشکروں کے امراء کو آپ نے خط لکھ کر دیا تھا۔ اور بطور نمونہ اس خط کا وہ مضمون درج کیا گیا ہے جو اہل ربذہ کو لکھا تھا۔ اس میں آپ نے فرمایا۔ کہ میں فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار اور تابعین کا لشکر دے کر بھیج رہا ہوں۔ اور میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ کسی سے ایک خدا پر ایمان لانے کے سوا کوئی چیز قبول نہ کرے اور اسے قتل نہ کرے جب تک کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت نہ دے لے اگر وہ یہ امر مان لے اور اقرار کرے اور نیک عمل کرے تو اس سے قبول کیا جائے اور اس کی اعانت کی جائے اور اگر انکار کرے۔ تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور ایسے لوگوں پر جو قبضہ میں آجائیں رحم نہ کیا جائے اور انہیں آگ میں جلایا جائے اور بری طرح انہیں قتل کیا جائے۔ اور یہ کہ ان کی عورتیں اور بچے قید کئے جائیں اور ان سے سوائے اسلام کے اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے''

اس خط کے مضمون کو پڑھنے اور پھر مولانا مودودی صاحب کی تحریر پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب نے تقویٰ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے من گھڑت نظریے کی تائید کے لئے اس میں حد درجہ تحریف سے کام لیا ہے۔ اگر یہ درست ہے جو انہوں نے لکھا ہے کہ مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کے ساتھ جنگ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانا، نبوّت کے دعویٰ کی بنا پر تھا۔ تو پھر اہل ربذہ اور دوسرے مقامات کے لئے جہاں کوئی مدعی نبوّت نہ تھا یہ سزا کیوں تجویز کی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مسلمان نہ تھے۔ جو ان میں سے پہلے مسلمان ہوئے تھے وہ بھی اسلام کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ اور مرتد ہو چکے تھے پس ان کی حالت وہی ہوگئی تھی جو اسلام سے پہلے دیگر کفّار عرب کی تھی۔ اور اسی وجہ سے ان کے لئے یہ شرط لگائی گئی تھی کہ ان سے سوائے اسلام کے اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ اور یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ وہ خط جو خالد بن ولید کو بھیجا گیا تھا جس میں یہ ہدایت تھی۔ وہ ان کو اس وقت پہنچا تھا جبکہ وہ بنو حنیفہ سے مصالحت کر چکے تھے۔ ’’وصالحه خالد علی الذهب والفضةوالسلاح ونصف البسی وقیل ربعه‘‘ (کامل لابن اثیر جلد۲ صفحہ۱۴۰)

کہ خالد نے سونے چاندی اور ہتھیاروں اور نصف قیدی اور ایک قول ہے کہ ربع قیدیوں پر صلح کر لی تھی۔ اگر حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی سے مسیلمہ کذاب کے پیروؤں کے لئے یہ اعلان کیا ہوتا تو حضرت خالدؓ کو اس کا پتہ ہونا چاہئے تھا لیکن انہیں اس وقت پتہ لگا جبکہ وہ بنوحنیفہ پر غلبہ پا کر ان سے صلح بھی کر چکے تھے۔ اور 4\3 حصہ ان کا چھوڑ چکے تھے۔ اور ابن کثیر نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ خالدؓ نے انہیں اسلام لانے کی طرف دعوت دی۔ **فاسلمو عن آخر هم ورجعو الی الحق.** کہ وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے اور حق کی طرف رجوع کرلیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد۶ صفحہ۳۲۵)

اور بعض قیدیوں کو خالدؓ نے واپس کر دیا اور باقی حضرت ابوبکرؓ کی طرف بھیج دئے۔ اور حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک عمدہ عورت کے ساتھ شادی کی۔

یاد رہے کہ خط کے الفاظ میں تسبی النساء والذراری کے الفاظ ہیں اور غالب طور پر تسبی کا لفظ قیدی عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اساریٰ کا لفظ مرد قیدیوں کے لئے

اس میں غلام اور لونڈیاں بنانے کا ذکر نہیں بلکہ تسبی کا لفظ ہے جس کے معنے ہیں۔ کہ عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اور یہی فیصلہ بنو قریظہ کے حق میں بھی ہوا تھا۔ جنہوں نے خلاف معاہدہ مسلمانوں سے غزوہ احزاب کے موقعہ پر غدّاری کی تھی۔ چنانچہ سعد بن معاذ کے فیصلہ کے الفاظ ہیں:۔'' ان تقتل المقاتلة وتسبی النساء والذریه وان تقسم اموالهم'' (بخاری کتاب المغازی)

کہ ان میں سے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کردیا جائے اوران کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اوران کے اموال بانٹ دئے جائیں۔

پس یہ خیال کہ مسیلمہ کے دعویٰ نبوّت کی وجہ سے بنو حنیفہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کے اموال بطور غنیمت اوران کی عورتیں لونڈیاں بنائی جائیں مولانا مودودی صاحب کا ایک نرا وہم ہے۔''

ضمیمہ نمبر 6 پر تبصرہ!

ضمیمہ نمبر 6 میں مولانا مودودی صاحب نے بعض علماء کے اقوال یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے۔ یا دعویٰ نبوت کرے تو وہ کافر ہے۔ اس کے متعلق بھی ہمارا جواب یہی ہے۔ کہ ان کی مراد نبوت سے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی والی نبوت تھی۔ اس وقت میں طوالت کے خوف سے تمام اقوال کے متعلق تفصیل سے بحث نہیں کرتا۔ مگر بعض کے متعلق اشارہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) پہلا قول میرے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی طرف غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ مدینہ منوّرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ابن صیاد ایک یہودی تھا جو رسالت کا مدعی تھا۔ اس سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دعویٰ کے متعلق دریافت فرمایا۔ جب آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس نے جواب دیا کہ آپؐ اُمّیوں کے رسول ہیں۔ اہل کتاب کے لئے نہیں۔ پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اتشهدنی رسول الله کیا آپ گواہی

دیتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں تو آپ نے جواب دیا امنت باللہ ورسلہٖ کہ میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کو مانتا ہوں۔ پھر آپؐ نے اس سے وحی وغیرہ کے متعلق دریافت کیا کہ اسے خبر کیسے ملتی ہے۔ تو آپؐ نے اس کے جوابات سے نتیجہ نکالا کہ یہ شخص صادق نہیں ہے۔

(بخاری جلد اوّل صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ دہلی)

پس جب خود حضرت خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدعی رسالت سے اس کے دعویٰ کے متعلق سوال جواب کئے تو حضرت امام ابو حنیفہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ جو شخص آپ کے بعد مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ کے متعلق دریافت کرے تو کافر ہوگا۔

دوسرے اور چوتھے قول میں وحی کے منقطع ہونے کا بھی ذکر ہے اور ہم پہلے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن العربی اور علامہ ابن حجر الھیتمی اور دیگر آئمہ کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے کامل افراد وحی کی نعمت سے متمتع ہونگے اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان بھی موجود ہے کہ مسیح موعود کی طرف اللہ تعالیٰ وحی کرے گا۔ پس یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نہیں ہوگی۔ حدیث اور بزرگان سلف کے اقوال کے مخالف کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ اس سے مراد وحی تشریعی لی جائے جو صاحب شریعت انبیاء کو ہوتی رہی ہے۔

تیسرا قول مولانا مودودی صاحب نے امام غزالیؒ بحوالہ کتاب الاقتصاد صفحہ نمبر 113 پیش کیا ہے اور اس کے نقل کرنے میں جناب موصوف نے دیانت کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے آپ امام غزالیؒ کی طرف منسوب کر کے لکھتے ہیں:۔

"ان الامته فهمت بالاجماع من هٰذا اللفظ انه افهم عدم النبی بعده ابداوعدم رسول بعد وانهٗ لیس فیه تاویل ولاتخصیص فکلامه من انواع الهذیان لایمنع الحکم بتکفیره لانه مکذب لهٰذا النص الذی اجمعت الامته علیٰ انه غیر مائل ولامخصوص"

حالانکہ الاقتصاد صفحہ 113 میں **لیس فیه تاویل ولاتخصیص** کے بعد وہ

عبارت جن کے نیچے میں نے خط کھینچ دیا ہے۔ ہرگز موجود نہیں اور اگر ہے تو جناب مولانا کو الاقتصاد صفحہ 113 میں ان کی موجودگی کا ثبوت دینا چاہئے اور جب تک ثبوت نہ دیا جائے بجز اس کے اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ جناب مولانا نے محض اپنی مطلب برآری کے لئے الاقتصاد صفحہ 113 میں مذکورہ عبارت اپنی طرف سے شامل فرمائی ہے۔

اس جگہ امام غزالی رحمہ اللہ اجماع کے متعلق بحث کرتے رہے ہیں۔ اس سے چند سطور پہلے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

''کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کے وجود اور آپ کی خلافت کا انکار کرے تو ایسے قائل کی تکفیر لازم نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ اصولِ دین میں سے کوئی اصل نہیں ہے۔ جس کی تصدیق ضروری ہو۔ برخلاف حج، نماز اور ارکان اسلام کے **ولسنا نكفرهٔ لمخالفة الاجماع فان لنا نظرفی تكفير النظام المنكرلاصل الاجماع لان الشبه كثيرة فی كون الاجماع حجة**'' (الاقتصاد صفحہ۱۱۲، ۱۱۳)

یعنی ہم اسے اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے۔ کیونکہ ہمیں نظام کی تکفیر میں بھی تامل ہے۔ جو سرے سے اصل اجماع کا منکر ہے۔ پھر اس امر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول آسکتا ہے۔ تو اس کا مدِّ مقابل بحث کے وقت اجماع سے دلیل پکڑے گا۔ اور لانبی بعدی اور اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیّین کی یہ تاویل کرے گا کہ النبیین سے مراد اولوالعزم رسول ہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ النّبیّین کا لفظ عام ہے۔ تو عام کی تخصیص کوئی بعید نہیں ہے۔ اور وہ لانبی بعدی کے متعلق کہے گا کہ یہاں نبی سے مراد رسول نہیں لیا ہے۔ کیونکہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔ نبی کا رتبہ رسول سے بڑا ہے۔ اور اسی قسم کی ازقبیل ہذیان تاویلیں کرے گا۔ لیکن یہ اور اس کے امثال کے متعلق مجرد لفظوں کے لحاظ سے استحالہ کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ (کہ ایسی تاویلیں متحیل ہیں) کیونکہ ظواہر التشبیہ کی تاویل میں ہم نے ان سے بھی بعید احتمالات کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ اور ایسا کرنا نصوص کو باطل کرنے والا نہیں سمجھا گیا۔

ولكن الرد على هذاالقائل ان الامته فهمت بالاجماع من هذا

الفظ (آگے وہ لفظ پڑھے نہیں گئے) **انہٗ افھم عدم نبی بعدہ وعدم رسول اللہ ابداوانہ لیس فیہ تاؤیل ولاتخصیص فمنکر ھذا لایکون الامنکرالاجماع"**

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۱۳ مطبع حجازی بالقاہرہ)

لیکن اس قائل کی بات کو اس دلیل سے رد کرنا کہ امت بالاجماع اس لفظ سے یہ سمجھی ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں آئے گا اور یہ کہ اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کا منکر اجماع کا منکر کہلائے گا۔

اور اس سے پہلے امام غزالی رحمہ اللہ بحث کر چکے ہیں۔ کہ اجماع کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس لئے خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی تاویل کر کے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول کے آنے کو جائز قرار دینے والا منکر اجماع ہونے کے لحاظ سے کافر نہیں ہوگا۔ لیکن مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ امام غزالی رحمہ اللہ اسے نص کا منکر قرار دے کر اسے کافر قرار دے رہے ہیں۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

چونکہ یہ بات جو امام غزالیؒ نے ختم نبوت کے عقیدہ کے متعلق یہاں لکھی ہے۔ وہ مجوزین نبوت بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکالت کا رنگ رکھتی تھی۔ اس لئے امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔ کہ

''قاضی بن الطیب نے اپنی کتاب الھدایۃ میں آئت خاتم النبیّین کے الفاظ میں احتمال کے جواز کا جو ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہے۔''

"وما ذکرہ الغزالی فی ھذہ الأیة وھٰذا المعنی فی کتابہ الذی سماہ بالاقتصاد الحادعندی وتطرق خبیث الی تشویش عقیدہ المسلمین فی ختم محمد صلّی اللہعلیہ وسلّم النبوّة فالحذر الحذرمنہ"

(تفسیر قرطبی جز ۱۴ صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷)

اور آئت خاتم النبیین کے متعلق جو معنی امام غزالیؒ نے اپنی کتاب اقتصاد میں بیان کئے ہیں وہ میرے نزدیک الحاد اور مسلمانوں کے عقیدہ درباره ختمِ نبوت بعد آنخضرت صلعم

کے مشوّش کرنے کے لئے ایک خبیث Approach ہے اوراس سے بچ کر رہنا چاہیئے ۔

پس اگر اقتصاد کی عبارت کا وہی مطلب ہوتا جو مولانا مودودی صاحب نے لیا ہے اور وہی عبارت ہوتی جو انہوں نے ذکر کی ہے تو علاّ مہ قرطبی کو اسے الحاد کہنے کی کیا ضرورت تھی ۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقتصاد کی عبارت میں خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی تاویل کرنے والے کو کافر اور نص آیت کا منکرنہیں گردانا گیا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ خود علاّ مہ قرطبی نے اس طعن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث پیش کی ہے: ''**لانبوة بعدی الاماشاء الله قال ابو عمر یعنی الرؤیاوالله اعلم اللتی هی جزء منها**'' کہ میرے بعد نبوت نہیں ہوگی ،مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابوعمرؓ نے مستثنٰی نبوت سے رؤیا مراد لی ہے۔ کیونکہ وہ بھی نبوت کی ایک جز ہے۔ گویا جز کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پائی جائے گی۔ اور نبوت سے صرف رؤیا مراد لینا خود ایک بعید تاویل ہے۔ حدیث کے معنی صاف یہ ہیں۔ کہ میرے بعد ایک ایسی نبوت ہوگی جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جو مطابق دوسری روائت مبشرات یعنی رؤیا مکاشفات اور مکالمات الہیہ پر مشتمل ہوگی۔ شرعی نبوت نہ ہوگی۔ بہرحال آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبوت کا جواز اس حدیث سے بھی نکلتا ہے۔

پانچویں قول میں عیسیٰ بن مریم کے بطور نبی آنے کا ذکر موجود ہے۔ اور چھٹا قول حافظ ابن کثیر کا ہے۔ اور انہوں نے اپنی تفسیر میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی مثال دے کر مسدود نبوت کی وضاحت کردی ہے۔ اسی طرح قول نمبر 7، 8، 9، 10، 11 میں بھی ایسی ہی نبوت کے دعویٰ کا ذکر ہے۔ اور اس کی ایک دلیل یہ ہے۔ کہ جن ائمہ اور علماء کی توجہ اس دوسری قسم کی نبوت کی طرف پھری ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نتیجہ میں ہو اور آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والی نہ ہو تو انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

مثال کے طور پر ہم امام ملا علی قاریؒ کو لیتے ہیں جو احناف کے ایک مشہور امام ہیں جناب مودودی صاحب نے امام ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ کا یہ قول پیش کیا ہے۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ باجماع امت کفر ہے۔ حالانکہ امام موصوف نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اگر ابراہیم (فرزند آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نبی ہو جاتے تو بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہی رہتے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت خضر علیہما السّلام کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے بلکہ وہ باوجود نبی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں) پھر فرماتے ہیں کہ ایسا ہونا خاتم النبیین کے مخالف نہیں کیونکہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا۔ جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

پھر امام ملا علی قاری جیسا کہ ہم بحوالہ الاشاء ذکر کر چکے ہیں۔ لا نبی بعدی کی تشریح میں لکھا ہے۔ کہ علماء کے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

ان دونوں قولوں کی موجودگی میں کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔ کہ حضرت امام ملا علی قاریؒ کے اس قول سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ بالا جماع کفر ہے۔ مراد اس قسم کی نبوت ہے۔ جس کا ذکر موضوعات کبیر میں موجود ہے اور جو ہم نے ابھی اوپر نقل کیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ اقوال میں سے قول نمبر 8 میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی اور نبی ہے۔ تو دو آدمی بھی اس کی تکفیر میں اختلاف نہیں کرتے۔ حالانکہ امام ملا علی قاری نے عیسیٰ کے ساتھ خضر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ابراہیم اور عمرؓ کی امکانی نبوت کا ذکر کر کے ایسے نبی کا آنا جو امتی ہو اور شریعت محمدیہ کو منسوخ نہ کرے۔ جائز قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانئے دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:۔ ''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اس زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔''

(تحذیرالناس صفحہ ۲۸)

کیا یہ دونوں بزرگ کافر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ محمد ابن عربیؒ وغیرہ نے بھی لا نبی بعدی کی یہی تشریح کی ہے۔ کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی تشریعی نبی کا نہ

آنا مراد ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی جماعت احمدیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔کہ صرف اس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکام شریعت جدیدہ اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر کیا جائے۔لیکن ایسا شخص جو ایک طرف اس کو خدا تعالیٰ اس کی وحی میں امتی بھی قرار دیتا ہے۔ پھر دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے۔ یہ دعویٰ قرآن شریف کے احکام کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نبوت بہ باعث امتی ہونے کے دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظل ہے۔کوئی مستقل نبوت نہیں۔'' ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۱۷۷،۱۷۸ ۱۹۰۵ء)

'اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔شریعت والا نبی کوئی نہیں ہوسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔''

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵ ۱۹۰۶ء)

اور فرماتے ہیں:۔

جاہل مخالف میری نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں۔ نہ نبی ہوں، نہ رسول ہوں۔ ہاں میں اس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے۔ جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔ مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ۱۹۰۱ء)

اور فرماتے ہیں:۔

''میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتبّاع سے حاصل ہو۔سو مکالمہ ومخاطبہ کے

آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ
جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم
الٰہی نبوّت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ ۱۹۰۷ء)

پس حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قسم کی نبوت کے متعلق کسی عالم نے یہ نہیں لکھا کہ اس قسم کا نبی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جیسا کہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں۔ جن علماء کی توجہ ایسی نبوت کی طرف گئی ہے۔ انہوں نے ایسی نبوت کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے اور جس قسم کی نبوت کو انہوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع قرار دیا ہے۔ اسے ہم بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ممتنع الوقوع مانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی وفات سے تین روز پیشتر اخبار عام کو ایک خط لکھا۔ جو 26 مئی کو شائع ہوا۔ اس میں آپ نے لکھا:۔

''یہ الزام جو میرے ذمّہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنے ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں نبی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور اپنا علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ سے یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے۔ اور آئندہ زمانوں کے راز مجھ پر کھولتا ہے...... مگر ان

معنوں سے میں نبی نہیں ہوں۔ کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے۔ جو قرآن شریف نے پیش کیا۔ اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔''

اور فرماتے ہیں:۔

''غرض ہمارا مذہب یہی ہے۔ کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی بننا چاہتا ہو تو وہ ملحد اور بے دین ہے۔ اور وہ غالبًا ایسا شخص کوئی اپنا نیا کلمہ بنائے گا۔ اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیّر و تبدّل پیدا کرے گا۔ پس بلا شبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے۔ اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔''

(انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۸)

ضمیمہ 7 پر تبصرہ

تحقیقاتی عدالت نے اصولی سوالات کئے تھے۔ ان میں مسیح موعود بانئے جماعت احمدیہ کے دعویٰ کو زیر بحث لانا یقیناً خلط مبحث ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب جابجا آپ کے دعوے کو زیر بحث لائے ہیں۔ ضمیمہ 7 میں الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب سے زیر عنوان ''مرزا غلام احمد صاحب کی تحریک کے مختلف مراحل'' بہت سے حوالہ جات نقل کر دئے ہیں اور لکھا ہے کہ پہلے آپ مبلّغ اور مناظرِ اسلام، پھر مجدّد وقت کے طور پر ظاہر ہوئے اور پہلے حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے قائل تھے۔ پھر خود مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح پہلے محدثیت کا دعویٰ اور نبی ہونے کا انکار کیا۔ لیکن 1901ء کے بعد اپنے آپ کو نبی قرار دیا وغیرہ گویا آپ کے دعویٰ میں تدریجی ترقی پائی جاتی ہے۔

اگرچہ اس بحث کا عدالت کے سوال سے تعلق نہیں ہے۔ اور ہم اس کا تفصیلی جواب

احراء کے تحریری بیان کے جواب میں دے چکے ہیں۔ تاہم اس جگہ مختصر طور پر جواب دینا ضروری ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت بانی جماعت احمدیہ کو آپ کے دعوے اور الہامات کے متعلق جس قدر تفہیم بخشتا گیا آپ اسی قدر اس کا اظہار فرماتے رہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنی کتب ازالہ اوہام۔ کشتی نوح اور حقیقۃ الوحی وغیرہ میں بالتفصیل لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اپنے ماموروں کی نسبت یہی سنت ہے کہ انہیں ان کے مرتبہ اور مقام کے متعلق تدریجی علم دیا جاتا ہے۔ حُسن ظن رکھنے والے اس کی باتوں کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ اور جن کے اندر بدظنی کا مادہ ہوتا ہے وہ اسے سوچی سمجھی ہوئی سکیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور مدعی کی بد دیانتی پر محمول کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ جب آپؐ کو پہلی بار الہام ہوا اور فرشتہ نظر آیا۔

> ''تو آپؐ اقتضائے بشریّت سے خوفزدہ ہوگئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہوگیا۔''

محدّث ابن حجر عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں:۔

''فلما سمع کلامه ایقن باالحق و اعترف به''

> ''یعنی جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپؐ کو حق کا یقین آ گیا۔ اور آپؐ نے اس کا اعتراف کیا۔''

محدّث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ

> ''وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔''

(سیرۃ النبیؐ حصّہ اوّل مؤلفہ علاّمہ شبلی نعمانی مطبوعہ نامی پریس۔ کانپور صفحہ ۱۴۸)

تسکین و ایقان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ پیش کرنے میں یہ احتیاط برتی کہ اس کی تبلیغ صرف اپنے دوستوں ہی تک محدود رکھی۔ مگر کچھ مدّت کے بعد

اس سلسلہ کو جو محدود تھا، وسیع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ کے اس طریقۂ تبلیغ کے متعلق علامہ شبلی نعمانی مرحوم یوں رقمطراز ہیں:۔

''تین برس تک نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا **فاصدع بماتؤ مر** تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کو واشگاف کہہ دے۔'' (سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ ۱۵۳) کیا بدظنی کرنے والے دشمنان اسلام اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ جو حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا۔ اسے آپ لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد حکم آیا **وانذر عشیرتک الاقو بین** (شعراء رکوع ۱۱) کہ اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو ڈرا تو آپ نے اپنے خاندان واقارب تک اپنی دعوت پھیلا دی اس کے بعد جب آیت **لتنذرام القریٰ ومن حولھا** نازل ہوئی تو آپ نے اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کرتے ہوئے اہل مکہ اور اس کے اردگرد کے باشندوں تک اپنی دعوت کو عام کر دیا۔ پھر جب آئت **اِناارسلنک کافۃللناس** اور آئت **یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا**. نازل ہوئیں تو آپ اپنے مقام کو پہلے سے بلند ترین کرتے ہوئے سمجھ لیا کہ آپؐ کو سارے جہان کے مالک کی طرف سے سارے جہان تک دعوتِ حق پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔''

اسی طرح آپ نے پہلے فرمایا: **مَن قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب**. (بخاری کتاب التفسیر سورہ النساء)

یعنی جو کہے میں یونس علیہ السلام سے بڑا ہوں وہ جھوٹا ہے نیز فرمایا:۔

لاتفضلو نی علیٰ موسیٰ (بخاری) کہ تم مجھے موسیٰ سے افضل نہ کہو۔

مگر اٹھارہ سال گزرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خاتم النبیین ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا اور آپؐ کو اپنے سابقہ مقام سے کہیں ارفع واعلیٰ مقام کا علم بخشا گیا تو آپؐ نے فرمایا:۔

انی فضّلت علی الانبیا بست الحدیث‘‘

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ صحیح مسلم مطبوعہ محمدی بمبئی صفحہ ۵۴)

یعنی مجھے چھ باتوں کی وجہ سے باقی تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے، ان میں سے ایک فضیلت کی وجہ میرا تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا جانا اور دوسری وجہ میرا خاتم النبیین ہونا ہے۔‘‘

نیز فرمایا:۔

’’میں تمام انسانوں کا سردار اور تمام انبیاء کا امام اور قائد ہوں اور یہ فضیلت کا دعویٰ آپؐ نے اپنے دعویٰ رسالت پر اٹھارہ سال گزرنے کے بعد کیا۔ جبکہ 5ھ میں آپ پر آیت خاتم النبیین نازل ہوئی۔ ورنہ پہلے آپؐ اپنے آپ کو باقی رسولوں کی طرح ایک رسول سمجھتے تھے۔ حالانکہ آپ کی فضیلت دوسرے رسولوں پر مکی آئتوں سے بھی ثابت ہے۔

اسی طرح دشمنان اسلام نے جو مولانا مودودی صاحب اور آپ کے ہمنواؤں کی طرح بدظنی کا مادہ رکھتے ہیں۔ آپؐ پر یہ نکتہ چینی کی ہے کہ جب تک آپ مکہ میں رہے اپنے آپ کو رسول کہلاتے رہے۔ کیونکہ عرب لوگ ایک رسول کے منتظر تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں بھی ایک رسول کے آنے کا ذکر تھا۔ وہ لوگ اس کی یہ دلیل دیتے ہیں۔ کہ مکی سورتوں میں آپؐ کو لفظِ رسول سے خطاب کیا گیا ہے۔ نبی سے نہیں اور جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور وہاں یہود رہتے تھے جو موسیٰؑ کی مانند ایک نبی کے منتظر تھے۔ اس لئے آپؐ نے وہاں نبی کہلانا شروع کیا۔ چنانچہ مدنی سورتوں میں آپؐ کو نبی کے لفظ سے یعنی یا ایھا النّبی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ مصنفین یورپ مولانا مودودی صاحب کی طرح یہی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا وہ سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت تھا، حالانکہ بات یہ تھی۔ کہ چونکہ نبی کے لفظ میں بالہام الٰہی بکثرت غیب کی خبریں دینے کی حقیقت پائی جاتی تھی اور یہ متقاضی تھی کہ جب مکّی سورتوں میں دی ہوئی غیب کی خبریں پوری ہو جائیں تو پھر آپؐ کو نبی کے نام سے خطاب کیا جائے۔

اسی طرح احکام نازل کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ تدریج کو مدنظر رکھتا ہے۔ چنانچہ تحریم

خمر کا حکم اس کی نہایت واضح مثال ہے۔

عرب لوگ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے ۔ بڑے شراب خوار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے یہی چاہا کہ انہیں شراب پینے سے ایک دفعہ نہ روکا جائے پہلی آئت جو شراب کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے:۔

" یسئلونک عن الخمرہ المیسر قل فیھمااثم کبیر ومنافع للنّاس" (البقررکوع ۲۷)

یعنی لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تو ان سے کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے۔ یعنی ان کے نقصانات بڑے ہیں۔ گو لوگوں کیلئے ان میں بعض منافع بھی ہیں۔ باوجودیکہ اس آئت میں شراب اور جوئے کی تحریم کی طرف صریح اشارہ موجود تھا۔ کیونکہ ان میں نقصانات کے زیادہ ہونے اور منافع کم ہونے میں درحقیقت ان کی تحریم کی وجہ سے بیان کی گئی تھی۔ لیکن پھر بھی شراب حرام نہ سمجھی گئی۔ پھر کچھ مدّت بعد اس بارے میں دوسری آئت۔

"لاتقربو الصّلوٰۃ وانتم سکاریٰ" (النساء رکوع ۶) نازل ہوئی۔

یعنی جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس آئت کے نزول کے بعد بھی شراب حرام نہ سمجھی گئی۔ اور لوگ شراب استعمال کرتے رہے۔ لیکن ان آیات سے شراب کی تحریم کی قبولیت کے لئے نفوس میں ایک رجحان پیدا کر دیا گیا۔ تب اور کچھ مدّت کے بعد جب اس بارہ میں تیسری آیت نازل ہوئی جو یہ ہے۔

" انّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمروالمیسر ویصدکم عن ذکراللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون" (المائدہ رکوع ۱۲)

یعنی شراب اور جوئے کے ذریعے شیطان تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ پس کیا تم ان شیطانی کاموں سے باز نہیں رہو گے۔"

(ملاحظہ ہو ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ مصر)

اس آئت کے نزول کے بعد شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ پس اگر خدا تعالیٰ کسی حکمت کی وجہ سے کوئی حکم تدریجی طور پر نازل کرے یا کسی مامور پر اس کا اصل مقام تدریجی طور پر ظاہر کرے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

حضرت بانئ جماعت احمدیہ اس اعتراض کا کہ آپ نے براہین احمدیہ میں تو لکھا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اب کہتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے اور واپس نہیں آئیں گے۔ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''یہ بیان جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں۔ وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کوئی دلیری نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی۔ تب تک اہلِ کتاب کی سنن دینیہ پر قدم مارنا بہتر جانتے تھے۔ اور بروقت نزول وحی اور دریافت اصل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اس لحاظ سے حضرت مسیحؑ بن مریم کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی۔ اب جو خدا تعالیٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا تو عام طور پر اس کا اعلان از بس ضروری تھا۔''
>
> (ازالہ اوہام ایڈیشن اول صفحہ ۱۹۷)

اور اس سوال کا کہ جب براہین احمدیہ میں آپ کو عیسیٰ کے نام سے خطاب کیا گیا تو آپ نے اس کے دوبارہ آنے کے متعلق کیوں لکھا۔ اور اپنے آپ کو مسیح موعود کیوں قرار نہ دیا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ

مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا۔ کہ حضرت عیسٰی آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی۔ اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اس کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی نازل ہوئی۔ کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ اور ساتھ اس کے صد ہا نشان ظہور میں آئے۔ اور زمین و آسمان دونوں میری تائید کے لئے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے گئے۔ کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا۔ جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ اور پھر میں نے اس پر کفائت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات **قطعیۃ الدلالت** سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اس امت میں سے آئے گا۔ اور جیسا کہ دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی اسی طرح صد ہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت اور آیات اور نصوص صریح حدیثیہ نے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ مجھ پر خوش ہو مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی میں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا۔ اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں۔ اور پوشیدہ مروں مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا۔ میرا اس میں کیا قصور ہے؟''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۹)

اور یہی صورت دعویٰ نبوت کے متعلق پیش آئی پہلے آپ اس تعریف کے مطابق کہ نبی درحقیقت وہی ہوتا ہے۔ جو نئی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ

کرے اور بلا واسطہ نبوت حاصل کرے۔ نبی اور رسول کے الفاظ کو جو آپ کے الہامات میں پائے جاتے تھے۔ تاویل کر کے مجددیت کے معنوں تک محدود رکھتے تھے۔ لیکن جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ امتی بھی نبی کا نام پا سکتا ہے۔ اور آپ کو اس نام سے خطاب کیا گیا تو آپ نے اپنے امتی نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

''میں کیا کروں۔ کس طرح خدا تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اور کس طرح اس روشنی سے جو مجھے دی گئی ہے تاریکی میں آ سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میرے کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا۔ جو کچھ اوائل میں مَیں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے خلاف کہا۔ میں انسان ہوں۔ مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵)

اور آپ نے جس قسم کی نبوت کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور لکھا کہ خاتم النبیّینؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا تو اس سے مراد حقیقی نبوّت اور مستقل نبوت ہی تھی۔ اور جس قسم کی نبوت کے بقا کو حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے جائز قرار دیا اس کا آپ نے 1900ء سے پہلے بھی کبھی انکار نہیں کیا۔ اور نہ اسے ختمِ نبوّت کے منافی سمجھا۔ چنانچہ آپ ایک غلطی کے ازالہ میں فرماتے ہیں:۔

جس جس جگہ میں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے۔ کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوٗا۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا تعالیٰ نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا

ہے۔سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکارنہیں
کرتا۔اور میرا یہ قول:۔
من نیستم رسول دنیاوردہ ام کتاب
اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحبِ شریعت نہیں ہوں‘‘
(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ۴)

الغرض جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پورا پورا انکشاف نہ ہوگیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی کی برکت سے باوجود امتی ہونے کے آپ نبی کا نام پاسکتے ہیں۔اس وقت تک آپ اپنے آپ کو محدّث کہلاتے رہے اور انکشاف نام کے بعد اپنے لئے نبی کا لفظ استعمال کیا۔

ساتواں سوال

قرآن وسنت کے وہ حوالے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی سیاسی اور مذہبی نظام میں غیر مسلموں کو ایک غیر ملکی عنصر کے طور پر قرار دیا گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو جس حد تک ان کو الگ رکھا گیا ہے اس کی تائید میں تاریخی حوالے پیش کئے جائیں۔اسی طرح اس پر روشنی ڈالی جائے کہ کیا غیر مسلموں کو پبلک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت تھی یا نہیں اور کس حد تک ایک قوم یا فرد کے گناہ دوسری قوم یا فرد پر ڈالے جاسکتے ہیں؟

جواب

اس سوال کا جواب افادات حضرت امام جماعت احمدیہ کا نتیجہ ہے بقیہ سوالات کے جوابات خاکسار نے لکھے تھے۔ شمس

جہاں تک ہم قرآن شریف اور احادیث کو دیکھتے ہیں ہمیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک مذہب ہے اور اسی حد تک وہ مذہب کے علاوہ دوسری باتوں میں دخل دیتا ہے جس حد تک کہ اسلام کا خالص تعلق اس سے ہوتا ہے یعنی وہ اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر مسلمان کسی ایسے امر کے مرتکب نہ ہوں جو ان کو خدا سے اور اخلاق

سے دُور کر دے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں سے بادشاہتوں کے وعدے کئے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق پر بحث کی ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے اصول اور قوانین پر چلنا چاہئے۔ نہ مسلمان ان کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے طریق پر چلیں اور نہ غیر مسلموں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے مذہب یا سیاست کے طریق پر چلیں۔ اگر ہم مذہب کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ کسی قوم کی مذہبی کتابوں میں جو باتیں ہیں وہ مذہب کا حصّہ ہیں تو اس کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم کی ان آیات سے جن میں یہودیوں کو تورات کے متعلق کہا گیا ہے کہ

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ" (مائدہ رکوع ۷)

اور عیسائیوں کو انجیل کے متعلق کہا گیا ہے: وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ (مائدہ رکوع ۷) اور مسلمانوں کو قرآن کے متعلق کہا گیا ہے کہ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآاَنْزَلَ اللّٰہ (مائدہ رکوع ۷) یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک یہودیوں اور عیسائیوں کا اپنی اپنی شریعت پر چلنا ضروری ہے اگر اس کے معنے لئے جائیں کہ صرف نماز روزہ کے متعلق یہ احکام ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان یہودی اور عیسائی اکٹھے ہوں مسلمانوں کو بھی صرف اپنی نماز روزہ میں آزادی حاصل ہوگی۔ سیاسی معاملات میں آزادی حاصل نہیں ہوگی بلکہ مل کر کام کرنا پڑے گا۔ اور اگر اس کے یہ معنے لئے جائیں کہ جہاں کہیں بھی یہودی اور مسلمان اکٹھے ہوں ان کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنا ہوگا جس میں سیاست بھی شامل ہے اور غیر قوم کے تعلقات بھی شامل ہیں تو اس صورت میں ان آیتوں کا مفہوم ایسا نکلے گا جو ایک منظّم حکومت کے بننے کو ناممکن بنا دے گا۔ اور یہ مذہب بھی باطل ہو جائے گا کہ یہود و نصارٰی کو ذمیوں والے حقوق حاصل ہوں گے کیونکہ تورات و انجیل میں تو ایسے قانون درج نہیں بلکہ ان کی سیاست میں تو غیر قوموں کو حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ پس اگر ہم نے ان آیات کے مطابق سیاسی معاملات کو بھی اور تمدنی معاملات کو بھی مذہب قرار دیکر اور مذہب کا جزو قرار دیکر اس میں ہر ایک کو حرّیت دینی ہے تو پھر نظامِ

مملکت کوئی علیحدہ چیز باقی ہی نہیں رہتا اور ملک میں نظم کی بجائے انارکی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر ہم نے ان آیات سے مراد یہ لینی ہے کہ مذہب سے مراد خالص مذہب ہے تو پھر ہمیں بھی اپنی سیاست کو خالص مذہب سے الگ رکھنا ہوگا۔

یاد رہے۔ کہ یہ حقوق قرآن نے دئے ہیں عیسائیوں اور یہودیوں نے اس کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ وہ تو اپنی تعلیم کے خلاف عمل کرتے تھے۔ اور قرآن نے اس بارہ میں ان پر زجر کیا ہے اور تاکید کی ہے کہ تورات اور انجیل کے مطابق عمل کرو۔ ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گو مذہب سیاست اور اقتصاد اور ساری ہی چیزوں پر حاوی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے دو حصّے تسلیم کئے گئے ہیں۔ ایک خالص مذہب اور ایک ایسے امور جو براہ راست مذہب میں تو نہیں آتے لیکن مذہبی بنیادی تعلیم کی روشنی میں ان کو حل کیا گیا ہے جو خالص مذہبی امور ہیں ان کے متعلق تو یہی حکم ہے کہ ہر قوم اپنی کتاب کے مطابق عمل کرے اور جو امور خالص مذہبی نہیں ان کے متعلق باہمی تعاون سے کوئی راستہ نکالا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے مشرکوں اور یہودیوں سے معاہدہ کیا اور ان سے معاہدہ کر کے مدینہ کی حکومت قائم کی اور اس میں یہ تسلیم کیا کہ مشرک اور یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک امّت سمجھے جائیں گے۔

(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ آرٹیکل ۲۔ آرٹیکل ۲۴ و آرٹیکل ۴۵)

اگر اسلامی حکومت میں غیر قوموں کے حقوق ذاتی طور پر مسلّم نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک تابع کی حیثیت میں رہنے پر مجبور ہیں تو پھر یہودیوں اور مشرکوں سے معاہدہ کے معنے ہی کیا ہوئے اور پھر سب کو ایک امت قرار دینے کے کیا معنے ہوئے؟ اگر یہ کہو کہ جو شخص مفتوح ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہوتا ہے اس کو تو کوئی حق حاصل نہیں لیکن جس سے معاہدہ کیا جاتا ہے اس کو حقوق حاصل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اصل چیز تو یہ ہے کہ اسلام میں غیروں کے حقوق تسلیم کئے گئے ہیں۔ اگر غیروں کے حقوق تسلیم کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے تو پھر معاہدہ کس طرح جائز ہو گیا؟ کیا کوئی معاہدہ اس چیز کو جائز کر سکتا ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں کیا؟ معاہدہ کرنا ہی بتاتا ہے کہ یہ امر خالص مذہب کا حصّہ نہیں۔ اگر خالص مذہب کا حصّہ ہوتا تو اسلام صرف یہ اعلان کرتا کہ یہ حقوق تم کو ہماری حکومت میں

حاصل ہونگے اس کے علاوہ تم کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اور جو قومیں معاہدہ کے ذریعہ سے اور مسلمانوں کے ملک میں رہ کر وہ حقوق حاصل کرنا چاہیں ان کے مطالبہ کو ردّ کیا جاتا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معاہدات کا ہونا اور ان میں غیر قوموں کے برابر کے حقوق تسلیم کرنا اور ان کو اسلامک حکومت کا برابر کا شریک مقرر کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے غیر مذاہب کے لوگوں کے حقوق کو مذہب کا حصہ قرار نہیں دیا بلکہ سیاست کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور ان کے کم وبیش کرنے میں مسلمانوں کو آزادی دی ہے۔ چنانچہ جب ہم اسلامی معاہدات کو دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں نظر آتا ہے کہ مختلف حقوق مختلف اقوام کو دئے گئے۔ چنانچہ جس وقت اسلام کو طاقت ملی ہے اس وقت عام طور پر حکومتیں مذہبی بنیاد پر ہوتی تھیں اور غیر مذاہب کے لوگوں کو یا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں کو وہ حقوق نہیں دئے جاتے تھے جو کہ فاتح ملکوں کے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں یا فاتحین کے ہم مذہبوں کو حاصل ہوتے ہیں اس لئے اسلام کی جنگوں میں جو قومیں مغلوب ہوئیں بعض دفعہ وہ رائج الوقت قانونوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے زائد حقوق لینے کے لئے خود ایسی شرطیں پیش کرتی تھیں کہ ہمیں ان شرائط پر اسلامی ممالک کا حصہ بنا دیا جائے۔ ان شرائط میں بعض دفعہ سختی بھی ہوتی تھی۔ اور لوگ اسلامی روح کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے خود شرطیں پیش کیں تو شائد وہ زیادہ سخت ہوں اور اگر ہم نے شرطیں پیش کیں تو شائد اس میں ہم کچھ اپنے حقوق محفوظ کر لیں حالانکہ اگر وہ مسلمانوں پر چھوڑ دیتے تو ان کو نرم شرطیں مل جاتیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کے جو علاقے فتح ہوئے وہاں کے لوگوں کو جو حقوق دئے گئے وہ خود ان لوگوں کے مطالبات پر تھے۔ یروشلم اور دمشق کے لوگوں نے خود شرطیں لکھ کر اسلامی کمانڈر کو دی تھیں کہ ان شرائط پر ہم ہتھیار رکھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے ان کو منظور کر لیا تھا۔

(کنز العمال جلد۲ صفحہ۳۰۲ کتاب الجہاد)

احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جب بنو قریظہ نے غداری کر کے جنگ احزاب پر کفار کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور ان کا محاصرہ کیا گیا تو انہوں نے تنگ آ کر آخر صلح کی تجویز پیش کی اور ان کے سامنے یہ شرط پیش کی گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں اس

کو وہ منظور کرلیں۔ لیکن انہوں نے اس کو منظور نہ کیا بلکہ اوس قبیلہ کے رئیس سعد بن معاذ کو فیصلہ کرنے کے اختیارات دیئے جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ یہودی کتابوں کی رُو سے تمام مفتوحہ جنگی سپاہی قتل کئے جاتے ہیں اس لئے ان کو بھی یہودی قانون کے مطابق قتل کیا جائے چونکہ یہ فیصلہ ان کے بنائے ہوئے ثالث نے کیا تھا اس لئے اس فیصلہ کا اعتراض اسلام پر کوئی نہیں آتا لیکن اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرماتے تو آپ یہ فیصلہ نہ فرماتے۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن سعدی یہودیوں کا رئیس رات کے وقت قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ پہریداروں نے اسکو دیکھ لیا اس کو پکڑا نہیں بلکہ پہریداروں کے سردار محمد بن مسلمہؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے خدا! مجھے شرفاء کی غلطیوں سے چشم پوشی کے خُلق سے محروم نہ کر۔ حالانکہ ثالث کے فیصلہ کے رُو سے اس کا قتل کیا جانا ضروری تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کے اس فعل کو پسند کیا۔ بلکہ جب اس کی موت کی خبر ملی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی موت دُکھوں سے نجات کا موجب بنادی۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۴۷ و سیرت حلبیہ جلد۲ صفحہ ۳۵۸)

اس واقعہ سے یہ ثابت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے تو یہ نہ کرتے۔ پس کسی قوم کا آپ یہ پیش کرنا کہ ہم یہ یہ باتیں ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اس میں ان کا قصور ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ اسلام نے اس کی بنیاد رکھی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدات کئے ہیں ان میں ایسی کوئی بات ہرگز نہیں جو کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے لئے فقہاء نے ضروری قرار دی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کا اصل حکم **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ** (سورۃ کافرون ۱/۳۴) میں بیان فرمایا ہے۔ دین کے معنے عربی زبان میں صرف مذہب کے نہیں ہوتے بلکہ دین کے معنے مذہب کے علاوہ بدلہ کے بھی ہوتے ہیں۔ اطاعت کے بھی ہوتے ہیں اور نظم ونسق حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔ پس **لکم دینکم ولی دین** کے یہی معنے نہیں ہیں کہ تمہارا مذہب تمہارے ساتھ اور میرا مذہب میرے ساتھ بلکہ یہ معنے بھی ہیں کہ تمہاری سیاست اور میری سیاست، تمہارا نظام حکومت اور میرا

نظام حکومت مختلف ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآن کریم کی کسی اور آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت اور غیر اسلامی نظام حکومت میں کیا فرق ہے؟ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کی ایک واضح آیت اس بات کے متعلق ملتی ہے کہ قرآنی نظام حکومت یہ ہے کہ

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ بقرہ رکوع 2/34)

مذہب اور نظام حکومت اور سیاست میں کسی قسم کے جبر اور اکراہ سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ غیر قوموں میں جبر جائز تھا۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

قَالَ الْمَلَاءُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ

(اعراف ۱/۱۱)

یعنی شعیبؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جو سخت متکبّر اور خود سر تھے شعیبؑ سے کہا کہ ہم تجھے بھی اور ان سب لوگوں کو بھی جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے اور پھر تمہیں ہمارے مذہب میں واپس لوٹنا ہوگا۔ حضرت شعیبؑ نے ان کے اس دعویٰ کو حیرت سے سنا اور فرمایا اگر ہم تمہارے دین کو ناپسند کرتے ہوں تو کیا پھر بھی تم ہم کو جبراً اس میں شامل کرلو گے۔

یہ آیت تو مشرکین وغیرہ کے متعلق ہے، یہود کے متعلق تورات اس بات پر شاہد ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت ہی ناواجب اور ظالمانہ ہوتا تھا۔ چنانچہ تورات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:۔

''جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گذار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح

نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تُو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا
خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار
سے قتل کر مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا
سارا لُوٹ اپنے لئے لے اور تُو اپنے دشمنوں کی اس لُوٹ کو جو خداوند
تیرے خدا نے تجھے دی ہیں کھائیو۔ اسی طرح سے تو ان سب شہروں سے
جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں حرم
کیجیو۔''

(استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ تا ۱۵)

اِسی طرح لکھا ہے:۔

''جب خداوند تیرا خدا انکو تیرے آگے شکست دلائے۔ اور تو ان کو مارے
تو تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر
رحم کرنا۔''

(استثناء باب ۷ آیت ۲)

یہ تو غیر ملکوں کے متعلق تورات کا حکم ہے۔ کنعان کی سرزمین جو موعود سرزمین تھی
وہاں کے رہنے والوں کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ:۔

'ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے
کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تُو ان کو حرم کیجیو۔''

(استثناء باب ۲۰ آیت ۱۶، ۱۷)

گویا اگر یہودیت برسرِ اقتدار آجائے تو اس کی تعلیم کے مطابق ہر مرد مارا جائیگا۔
اور ہر عورت اور بچہ غلام بنایا جائے گا۔ اور یہی نہیں بلکہ کنعان میں بسنے والی ہر چیز جو سانس
لیتی ہو جان سے ماری جائے گی۔

ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت اور غیر اسلامی شریعت میں مذہب
اور سیاست کے بارہ میں یہی امتیاز تھا کہ اسلام مذہب اور سیاست میں کسی قسم کا جبر تسلیم نہیں
کرتا۔ اور غیر مذاہب جبر کو تسلیم کرتے تھے۔ اس کی تائید میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ:۔

لایجرمنّکم شنأن قوم علیٰ الاّ تعدلو اعدلواھواقرب للتقویٰ

(مائدہ ۲/۶)

یعنی کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسکے ساتھ انصاف کا سلوک نہ کرو۔تم انصاف کا سلوک کرو دل کی نیکی کے مطابق یہی امر ہے۔

اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ جو سلوک ہم اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں وہی سلوک ہم کو غیر قوموں سے بھی کرنا چاہئے۔صرف ایک فرق کی اسلام نے اجازت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض امور میں اپنے مارے ہوئے حقوق دشمن کے اموال میں سے وصول کر لینے جائز ہیں۔چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے:۔

"فَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْ ءٌ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوْاالَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَااَنْفَقُوْاوَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ."

(ممتحنہ ۲/۸)

یعنی اگر تمہاری بیویوں کے مہر کا کچھ حصہ کفار کی طرف چلا جائے۔اور پھر تمہیں موقعہ میسّر آجائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں ان کو اتنا روپیہ دے دو۔ جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور اس خدا سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ:۔

اوّل:۔ایک کافر محارب کے حقوق بھی مارنا جائز نہیں۔

دوئم:۔ جو حقوق ہمیں اس کافر کے مقابلہ میں حاصل ہیں۔ وہی اس کافر کو ہمارے مقابلہ میں حاصل ہیں۔

سوئم:۔لیکن اگر وہ ہمارے حقوق کو مارے تو ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ اس کی قوم کے جو حقوق ہمیں ادا کرنے ہیں۔ہم ان میں سے مسلمانوں کے تلف شدہ حقوق کی رقم ان کو دلوادیں۔لیکن یہ صرف مالی معاملات کے متعلق ہے۔عزّت اور ضمیر کے متعلق یہ احکام نہیں ہیں۔

چنانچہ احادیث میں صاف آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ کا کُفار نے مثلہ کیا یعنی ان کی شہادت کے بعد ان کے ناک کان کاٹ دیئے اور صحابہؓ نے آپؐ کومشورہ دیا کہ ہم بھی اس کے بدلہ میں بعض مشرکین جنگ کے مقتولین کے ناک کان کاٹ دیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کوارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو ایسا کرنا جائز نہیں۔(السیرۃ الحلبیہ جلد۲صفحہ۲۶۰)

مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس اصولی تعلیم کو بھلا دیا۔ اور مسلم اور ذمی کی اصطلاحات تجویز کر کے یہ بتانا چاہا کہ گویا ذمیوں کے لئے اور احکام ہیں اور مسلمانوں کے لئے اور۔ مسلمانوں کے اور حقوق ہیں اور ذمییوں کے اور۔ حالانکہ ذمی کا لفظ جس طرح غیر مسلم کے لئے استعمال کیا گیا ہے اسی طرح مسلم کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

”مَنْ صَلَّی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَلَا تَخْفِرُوْا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ“

(بخاری جلداوّل کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلہ)

یعنی جوشخص ہماری طرح نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف مُنہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت اس کو حاصل ہے۔ پس اے مسلمانو! تم اس کوکسی قسم کی تکلیف دے کر خدا تعالیٰ کواس کے عہد میں جھوٹا نہ بناؤ۔

اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو بھی ذمّی قرار دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کے اللہ اور اس کے رسولؐ ذمّہ وار ہیں۔کیا یہاں بھی یہی معنے لئے جائیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی سختی کی جائے گی۔ ذمّی کے معنے عربی زبان میں محض Gaurantee کے ہیں۔ یعنی جس کے حق میں ضمانت دی گئی ہے اور خدا Gaurantor ہے یعنی ذمہ واری اٹھانے والا۔ انہی معنوں میں غیر مسلموں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ غیر مسلموں کے متعلق یہ لفظ اسی معاہدہ میں استعمال ہوا

ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا سے کیا تھا۔ اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

"اذا جاء کم کتابی هٰذا فانکم اٰمنون. لکم ذمّة الله وذمّة رسولهٖ."

یعنی جب تمہارے پاس یہ کتاب پہنچے تو تم اس دن سے سمجھ لو کہ تم بالکل امن میں ہو اور خدا اور رسول کی گارنٹی تمہیں حاصل ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:۔

"وان رسوله غافر لکم سیّاتکم وکل ذنوبکم. وان لکم ذمّة الله وذمّة رسوله لاظلم ولاعدیٰ وان رسول اللهجارلکم ممامنع منه نفسهٖ."

یعنی اللہ کا رسول تمہاری تمام غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے حقوق کی حفاظت کے ذمہ وار ہیں۔ تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور کوئی سختی نہیں کی جائے گی اور جن باتوں کو خدا کا رسول اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا، تمہارے لئے بھی جائز نہیں سمجھے گا اور تمہارے لئے ان حقوق کو حاصل کرے گا۔

(مجموعۃ الوثائق السیاسیہ صفحہ ۳۶۔ معاہدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع اہل مقنا)

اس معاہدہ سے صاف ثابت ہے کہ ذمی کا لفظ غیر مسلموں کے لئے بھی اسی طرح استعمال کیا گیا ہے اور انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس طرح اور جن معنوں میں مسلمانوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔

باقی رہا یہ کہ ذمیوں پر جزیہ رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ غیر قوموں کی اطاعت قبول نہ کرو۔ جب تک کہ وہ جزیہ نہ دیں۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے اس بارے میں نہایت محتاط الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"حَتّٰی یُعْطُوا الجَزْیَۃَ عَنْ یَدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ." (سورۃ توبہ ۱۱/۵)

کسی قوم سے زبردستی ٹیکس وصول نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنی مرضی اور مقدرت کی

ساتھ جب وہ جزیہ دیں تو انہیں وصول کرنا چاہیئے۔

ید کے معنے عربی زبان میں طاقت کے ہوتے ہیں۔ یعنی طاقت ہوتے ہوئے مطلب یہ کہ جب وہ تمہارے آگے ہتھیار پھینک دیں۔ یعنی کسی قوم پر چھاپا مار کر اس سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز نہیں۔ جب وہ ہتھیار پھینک دیں اور مرضی اور مقدرت سے جزیہ دیں تو اس صورت میں تم ان سے جزیہ لے سکتے ہو۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مرضی اور مقدرت کے کیا معنے ہیں؟ اگر کوئی قوم ہتھیار پھینک دے اور کسی قسم کا ٹیکس نہ دینا چاہے تو کیا ہم اس سے ٹیکس نہیں لیں گے؟ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

علی ان یوضع الجزاء عمن اجاب الی ذالک الاالعشر والعشر عوض من جزأهم"

(مجموعۃ الوثائق السیاسیہ صفحہ ۲۶۳)

یعنی جزیہ ان لوگوں پر نہیں لگایا جائے گا جو کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر فوجی خدمت کرنے پر تیار ہونگے اور فوجی خدمت کرنا جزیہ کا قائم مقام ہو۔

پس معلوم ہوا کہ جزیہ دینا یا نہ دینا غیر مسلموں کی طاقت اور اختیار میں تھا۔ یعنی اگر وہ جنگی خدمت کو مسلمانوں کی طرح اختیار کر لیتے تو ان پر کوئی جزیہ نہیں تھا۔ پس اس کا فیصلہ ان کے اختیار میں تھا۔ ان پر جبر کوئی نہ تھا۔

اسی طرح مالی طاقت کا ذکر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے معاہدات میں شامل ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ والوں سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ صاف الفاظ موجود ہیں:۔

"ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابه آفةمن الأفات او کان عنینا نافتقروصار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیّل من بیت مال المسلمین و عیاله ما اقام بدار الهجرة ودارالاسلام"

(کتاب الخراج صفحہ ۸۵ بحوالہ الفاروق صفحہ ۴۷۷)

یعنی وہ شخص جو غریب ہو جائے۔اور قوم کی امداد پر آ جائے۔نہ صرف یہ
کہ اس کا جزیہ معاف ہو گا بلکہ جب تک وہ اسلامی ملک میں رہے گا
اسلامی خزانہ سے اس کی مدد کی جائیگی۔

اِن حوالوں سے واضح ہے کہ جہاں تک خالص مذہبی امور کا سوال ہو اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔

اور جہاں تک سیاسی حقوق کا سوال ہے اسلام ان کو برابر کا حق دیتا ہے اور ذمی کے لفظ کے جو خراب معنے کئے گئے ہیں وہ بعد کے فقہاء کی غلطی سے ہیں ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے متعلق ایک ہی معنے میں اور ایک ہی طریق پر استعمال کئے ہیں۔

اب رہا عمل کا سوال۔اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپؐ کے خلفاء کے زمانہ میں اسلام ایک جنگی انتشار کی حالت میں سے گزر رہا تھا۔اور ابھی ایسی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی جس میں تمام اقوام مل کر بس جانے کا فیصلہ کرتیں۔اس لئے بعض سیاسی حقوق کامل طور پر غیر مسلموں کو نہیں دیئے جا سکتے تھے۔مگر باوجود اس کے جہاں جہاں ممکن تھا ان کو سرداری کے حقوق دئے گئے ہیں۔چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا کو جو خط لکھا اُس میں صاف طور پر یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

”لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ اَمِیۡرٌ اِلَّا مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡمِنۡ اَھۡلِ رَسُوۡلِ ا للّٰہِ“

(مجموعۃ الوثائق السیاسیہ صفحہ ۳۶)

یعنی تمہاری قوم میں گورنر یا تم میں سے ہوگا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہوگا۔

اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی علاقہ کا گورنر غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانہ میں بھی حالانکہ ابھی ملک میں پُر امن طور پر ساری قومیں نہیں بسی تھیں ان حقوق کو تسلیم کیا جاتا تھا۔چنانچہ علاّمہ شبلی اس

کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی، اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب وملّت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیئر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔''

(الفاروق حصّہ دوم زیرعنوان صیغۂ فوج صفحہ ۱۰۷)

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے۔اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جُدا گانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا۔ چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۶)

اسی طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ غیر اقوام کے افراد کو جنگی افسر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایرانیوں کو بھی فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ان میں سے بعض کے نام بھی تاریخ میں موجود ہیں۔

علاّمہ شبلی نے چھ فوجی افسروں کے نام یہ لکھے ہیں:۔

''سیاہ۔ خسرو۔ شہریار۔ شیرویہ۔ شہرویہ۔ افرودین۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۶)

ان افسروں کو تنخواہیں بھی سرکاری خزانہ سے ملتی تھیں۔اور رجسٹر Pay roll میں ان کا نام تھا۔ چاروں خلفاء کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کے زمانہ میں ایک عیسائی ابن آثال خاص وزیر خزانہ تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ ۲۳۴)

عباسی خلافت کے زمانہ میں باقاعدہ منظّم حکومت قائم کی گئی۔اور مختلف قوموں اور

علاقوں کے نمائندوں کی ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کی گئی۔ اس کونسل آف سٹیٹ میں عیسائی یہودی صابی اور زرتشتی بھی شامل تھے۔

(A short history of the Saracons by Amir Ali P.P.274,275)

اس زمانہ میں ایک عیسائی وزیر جنگ بھی مقرر کیا گیا۔ چنانچہ عباسی خلیفہ معتضد کا وزیر جنگ ایک عیسائی تھا۔ جس کا نام صابی تھا۔

(تاریخ عرب مصنّفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ ۳۵۵)

عباسی خلیفہ المتقی کا بھی ایک عیسائی وزیر تنوخی نام کا تھا۔

(تاریخ عرب مصنّفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ ۳۵۵)

بولیہ خاندان کے ایک بادشاہ عضدالدولہ کا بھی ایک عیسائی وزیر نصر بن ہاران تھا۔

(تاریخ عرب مصنّفہ پروفیسر ہٹی صفحہ ۳۵۵)

سپینش حکومت کے متعلق بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس میں قاضی القضاۃ تک کا عہدہ بھی غیر مذاہب والوں کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کے بیٹے الحکم ثانی کے زمانہ میں ایک عیسائی ولید بن خیزان کو قرطبہ میں حکومت کا جج مقرر کیا گیا۔

(تاریخ عرب مصنّفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ ۵۳۰)

اسی طرح عبدالرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کا ایک یہودی وزیر تھا۔ جس کا نام ربّی ہسدی شیروت تھا۔

(تاریخ عرب مصنّفہ پروفیسر ہٹی صفحہ ۵۷۷)

اسی طرح تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپین میں بھی ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کی گئی تھی جس کے ممبر غیر مسلم ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی گومز بن انتھونی (Gomerz sun of Antony) بھی اس کونسل آف سٹیٹ کا ممبر تھا۔ اور بادشاہ عبدالرحمٰن ثالث نے ایک بڑی سیاسی میٹنگ میں جس کے لئے تمام سپینش بشپ بلائے گئے تھے اپنی بیماری کی وجہ سے اس کو اپنا قائمقام بنا کر بھیجا اور اسے پریزیڈنٹ مقرر کیا۔

("A short History of the Saracons" by Amir Ali P.)

اسی طرح سموئیل بن عارف ایک عیسائی اسلامی حکومت غرناطہ میں وزیر مقرر

کیا گیا۔ (اخبار اندلس جلد سوم صفحہ ۱۴۶)

سکاٹس کی ''تاریخ اندلس'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بادشاہوں کو اہم سفارت بھیجنی ہوتی تھی تو وہ مقتدر یہودیوں کو بھیجا کرتے تھے۔

(اخبار اندلس جلد سوم ترجمہ از خلیل الرحمٰن صاحب صفحہ ۱۴۵)

مصر کی فاطمی حکومت میں بھی غیر مسلموں کو بڑے بڑے درجے دئے جاتے تھے۔ چنانچہ فاطمی بادشاہ العزیز کے زمانے میں ایک عیسائی عیسیٰ بن نستور کو وزیر بنایا گیا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ ۶۲۰)

اسی طرح تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے فاطمی بادشاہوں کے وزراء عیسائی اور یہودی ہوا کرتے تھے۔

(A short history of the Saracons by Amir Ali P.413)

ہندوستان میں سب سے زیادہ بدنام اورنگ زیب ہے۔ لیکن اورنگ زیب سے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں کسی قسم کا امتیاز اور فرق کرنا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ اور دلیل بھی دیا کرتا تھا۔ کہ قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ ''**لکم دینکم ولی دین**'' چنانچہ ایک دفعہ اس کے پاس درخواست کی گئی کہ ذمیوں کو کلیدی عہدوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کہا اس قسم کے معاملات میں تعصب کو کوئی دخل نہیں ہونا پھر اس نے یہ آیت پڑھی کہ ''لکم دینکم ولی دین'' پھر اس نے کہا۔ اگر ہم اس درخواست کو تسلیم کریں تو پھر ہمیں تمام راجوں اور ان کی رعایا کو قتل کرا دینا چاہیئے۔

("Preaching of Islam" by Sir Thomas Arnold Page 214.

"Anecdotes of Aurang Zeb" by Sir Jadhes Lal Circar

P.P.97-100)

اسی طرح عالمگیر کے ایک فرمان کا یہ فقرہ ہے کہ:۔

''حکومت کے عہدے قابلیت کے اصول پر دئے جائیں۔ کسی اور خیال کے ماتحت نہ دئے جائیں۔''

("Preaching of Islam" by Sir Thomas Arnold Page 214.)

پھر مغلیہ حکومت کے متعلق ایک اور مصنّف لکھتا ہے کہ:۔

''بنگال کا حکومتی مذہب اسلام ہے۔لیکن ملازمتوں کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سو ہندو ہے۔اور تمام سرکاری عہدے اور اعتبار کی جگہیں دونوں قوموں سے چُنی جاتی ہیں۔''

(A new Account of the east Indios Vol.2,P.14)

اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغلیہ حکومت نے ہندو کمانڈر انچیف تک مقرر کئے۔ چنانچہ جرنیل مان سنگھ اور جے سنگھ مشہور مثالیں ہیں۔ میں نے یہ چند واقعات مثال کے طور پر لکھے ہیں۔ ورنہ اگر اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں اس میں اس قسم کی نظر آسکتی ہیں۔

مولانا مودودی کے ساتویں سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے ایک تو یہ بحث کی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کلیدی مناصب پر فائز نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ نے اپنی تائید میں قرآن مجید کی بعض آیات پیش کی ہیں۔ان میں سے پہلی آیت

''واولی الامر منکم الخ''

پیش کی ہے۔ حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر اگر غیر مسلم بھی ہوتو پھر بھی اس کی اطاعت ضروری ہے۔ البتہ دینی معاملات میں اگر وہ مغائرت کریں تو پھر خدا اور رسول کی اطاعت کرنا ہوگی۔ اولی الامر کی نہیں۔

چنانچہ مولوی ظفر علی خان جو ہماری سخت مخالفت کرتے رہے ہیں انہوں نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کرکے اس بات کا بارہا ثبوت دیا ہے کہ اطاعت اولوالامر کے وہ کس درجہ پابند ہیں۔''

(زمیندار ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء)

اور میں نے خود مولانا مودودی صاحب سے ایک تقریب پر 1946ء میں یہ سوال کیا تھا کہ اگر اولی الامر والی آیت غیر مسلم حاکموں پر حاوی نہیں ہے تو قرآن مجید کی کوئی آیت بتائیں جس میں یہ حکم پایا جاتا ہو کہ غیر مسلم اولی الامر کی اطاعت کی جائے یا نہ۔ آخر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اور اسے یہ علم تھا کہ کروڑوں مسلمانوں نے صدیوں تک غیر مسلم اولی الامر کے ماتحت رہنا تھا۔ ان کے لئے قرآن مجید میں (جو مکمل شریعت ہے) کوئی واضح حکم تو ہونا چاہیئے تھا۔ کہ آیا وہ غیر مسلم حکام کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔ اس سوال کا جواب مولانا صاحب نے صرف یہ دیا تھا کہ میری کُتب کا مطالعہ کریں اور اب بھی وہ شائد یہی کہیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی موجود نہیں ہے جس میں غیر مسلم اولی الامر کے متعلق یہ حکم پایا جاتا ہو کہ ان کی اطاعت نہ کی جائے بلکہ ان کے خلاف بغاوت کی جائے اور ان سے وفاداری نہ کی جائے۔ جیسا کہ علماء نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔

باقی دو آیات جن میں بطانة اور ولیجہ کا ذکر آیا ہے کہ اے مومنو! تم اپنے سوا غیروں کو اپنا شریک راز نہ بناؤ اور جنہوں نے خدا اور رسول اور مومنوں کے سوا دوسروں کو اپنے معاملات میں دلی، دوست اور دخیل کار بنایا۔ یہ دونوں آیتیں محارب قوموں کے متعلق ہیں جن سے جنگ ہو رہی ہو۔ پہلی آیت بھی اور دوسری آیت بھی۔

"قاتلو هم يعذّ بهم الله بايديكم ويخزهم وينصركم عليهم ويشف صدور قوم مومنينo و يذهب غيظ قلوبكم" (الاية)

یعنی ان کفّار سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ اور انہیں ذلیل ورسوا کرے گا اور تمہیں ان کے خلاف مدد دے گا۔ اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا۔ اور تمہارے دلوں کے غصّہ کو فرو کریگا۔

اور اس کے بعد مولانا صاحب کی پیش کردہ وہ آیت آتی ہے تو اس سے مراد مخالف جنگ کرنے والی دشمن قوم ہے کہ ان سے اپنے راز دار اور ولیجہ نہ بناؤ۔

ولیجہ کے معنے امام فراءؒ نے یہ کئے ہیں:۔

"الو ليجة البطانة من المشركين. وقيل كيف تتخذون دخيلة اوبطانة من المشركين تفشون اليهم اسراركم وتعلمو نهم امور كم"

(فتح الباری جلد۸صفحہ ۷۵)

یعنی ولیجہ کے معنے یہ ہیں کہ تم مشرکوں سے بطانۃ نہ بناؤ۔
یعنی تم مشرکوں سے کسی کو اپنا گہرا دوست نہ بناؤ جسے تم اپنے دل کی باتیں بتاؤ۔اور مخفی راز اس کے پاس افشا کرواور اپنے حالات بتاؤ۔

پس ظاہر ہے کہ یہاں محارب قوم سے ایسے دوست نہ بنانے کا ذکر ہے۔ان آیات کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو مولانا صاحب نے لیا ہے کہ شریک حکومت غیر مسلموں کو یا ماتحت غیر مسلم رعایا کو حکومت کے نظام میں کلیدی اسامیوں پر مقرر نہ کیا جائے۔ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم بادشاہوں نے غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر سرفراز کیا۔خود اکبر بادشاہ کے وقت ہندووزیر تھے۔اور بڑے بڑے عہدوں پر ہندوافسر مقرر تھے۔

(۲) اس سوال کے جواب میں کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی علانیہ اشاعت کا حق حاصل ہے یانہیں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ

''اس بات میں جہاں تک ہمیں علم ہے نفیاً واثباتاً کوئی احکام نہیں دئے گئے ہیں۔نہ اس کی صاف صاف اجازت ہی کا کوئی حکم ہے نہ اس کی صریح ممانعت ہی پائی جاتی ہے۔''

ہمارے نزدیک یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو نہ ایک مذہب والوں سے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب سے تعلق رکھتا ہے۔اس لئے یہ ناممکن ہے کہ قرآن مجید جو مکمل شریعت ہے اس کے ذکر سے خاموش رہتا۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید میں دشمنان انبیاء کے تبلیغ سے روکنے کی جو مذمت کی گئی ہے اور اس بناء پر انہیں عذاب الٰہی کا مورد بنایا گیا ہے اس کا ماحصل یہی ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر واکراہ ناجائز اور کسی کی زبان بندی کرنا کہ وہ اپنے خیالات دوسروں تک نہ پہنچا سکے ایک عظیم الشان جُرم ہے۔

اسلام غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے مذہب کی اشاعت وتبلیغ کی پوری آزادی دیتا ہے۔اس کا ثبوت مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ملتا ہے:۔

''فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه

(زمر رکوع۲ پارہ نمبر۲۳)

یعنی میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو ہر قسم کی کسی بات کو توجہ سے سننے کے بعد جو اچھی بات معلوم ہو اس کو قبول کر لیتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو صریح لفظوں میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مسلموں اور غیر مسلموں کی باتوں کو سننے کے لئے ہر وقت آمادہ رہیں۔اور جو معقول بات کہیں سے بھی ملے اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

حدیث میں بھی ہے:۔

''کلمة الحکمة ضالة الحکیم اخذ هافحیث وجدهافهو احقّ بها.''(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ۲۶ کتاب العلم)

کہ معقول بات تو حکیم شخص کی اپنی کھوئی ہوئی پونجی ہے۔پس وہ جہاں سے بھی ملے،اُسے لینی چاہیئے۔

سورۃ زمر کی مندرجہ بالا آیت میں ''القول'' یعنی کلام سے مراد ہر قسم کا عام کلام ہے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل ہے:۔

تفسیر حسینی میں زیر آیت بالا لکھا ہے:۔

''اورلباب میں ہے کہ ملّتوں والوں کے قول مراد ہیں۔اور سب ملّتوں میں دین اسلام احسن ہے۔اور بہت مشہور یہ بات ہے کہ قول سے وہ باتیں مراد ہیں۔اور اہل دل ان باتوں میں سے بہتر بات کی متابعت کرتے ہیں۔مثل مشہور ہے کہ خُذْ مَا صفاودع ماکدر.بیت ہے ؎

قول کس چوں بشنوی در وے تامل کن تمام

صاف رابردار ودردیہائے راکن والسلام

اور بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ قول عام ہے۔خدا کا کلام ہو یا فرشتوں کی

بات، یا آدمی کا قول ہو یا شیطان کی بات یا نفس کی۔''

(تفسیر حسینی مترجم اردو المعروف بہ تفسیر قادری جلد۲ صفحہ ۳۴۵)

(۲) دوسری آیت جس میں آزادیٔ تبلیغ کا ثبوت ملتا ہے یہ ہے:۔

''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذاالَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ.''

(حٰم سجدہ رکوع ۵ پارہ ۲۴)

کہ اس سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے (یعنی تبلیغ اسلام کرے) اعمال صالحہ بجالاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ غیروں کے اعتراضات کا نرمی اور شرافت سے جواب دو۔ اس طرح تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔

اس آیت میں جہاں مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو تبلیغ کریں وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ تبلیغ کے دوران میں غیر مسلم بھی لازماً اسلام کی تعلیم پر اعتراضات کریں گے۔ پس تمہارا مسلک یہ ہونا چاہیئے کہ صبر اور تحمل سے ان کے اعتراضات کو سنو اور پھر شرافت اور نرمی سے ان کے جواب دو۔

اگر اسلامی نظام میں غیر مسلموں کو زبان بندی کا حکم دینا مقصود ہوتا تو آیت مذکورہ بالا میں ان کے اعتراضات کے ''دفاع'' کا ذکر نہ فرمایا جاتا۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے:۔

''قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْن.'' (سورۃ بقرہ رکوع ۱۳)

یعنی غیر مسلموں سے مطالبہ کرو۔ کہ اگر تمہارے پاس اپنے عقائد کی تائید میں کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اگر غیر مسلموں کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہ ہوتی تو ان سے دلائل کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔

(۴) چوتھی آیت جس میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقِ تبلیغ کا ثبوت

ملتا ہے وہ آیت مباہلہ ہے۔جس میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ جو الوہیت مسیحؑ کے مسئلہ پر عین مسجد نبوی میں اسلامی ریاست کے اندر عمل میں آیا۔

اگر غیر مسلموں کو اسلامی ریاست کے اندر مسلمانوں کے سامنے اپنے عقائد اور ان کی تائید میں اپنے دلائل علانیہ بیان کرنے کی ممانعت ہوتی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی بحث ومباحثہ کی اجازت نہ دیتے۔

آٹھواں سوال

ڈائریکٹ ایکشن (راست اقدام) کا جواز؟

جواب:۔

ہمارے نزدیک ڈائریکٹ ایکشن کا صحیح ترجمہ ''راست اقدام'' نہیں ہے بلکہ ''براہِ راست اقدام'' ہے۔اور مجلس عمل نے بھی اس کا ترجمہ ''براہ راست اقدام'' ہی کیا تھا۔

(ملاحظہ ہو بیان تحریری مجلسِ عمل روبروئے عدالت ہذا صفحہ ۵۰)

علاوہ ازیں اس کے متعلق آل مسلم پارٹیز کنونشن کی جو قرارداد اخبارات میں شائع ہوئی اس میں ''براہِ راست اقدام ہی لکھا ہے۔قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:۔

> ''اب موجودہ حکومت سے مرزائیوں کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات منظور ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن کا یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بحالات موجودہ قوم کے بنیادی مطالبات کو منوانے کیلئے ''براہِ راست اقدام'' ازبس ناگزیر ہے۔''

(''آزاد'' ۲۸ جنوری ۱۹۵۳ء)

اگر ڈائریکٹ ایکشن سے مراد راست اقدام لیا جائے تو قرارداد کے یہ معنے ہونگے

کہ مطالبات کو منوانے کے لئے آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اس سے پہلے جو اقدام کئے وہ راست نہیں تھے اور جو اقدام آئندہ کیا جائے گا وہ راست اور صحیح ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم درست نہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس سے پہلے آل مسلم پارٹیز کنونشن نے مطالبات کو منوانے کے لئے جو اقدام کئے تھے وہ چونکہ آئینی تھے اس لئے ان کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا اور حکومت نے مطالبات کو منظور نہیں کیا۔ اس لئے اب مطالبات کو منوانے کے لئے براہِ راست اقدام کیا جائے گا۔ جو غیر آئینی ہوگا۔ جس سے حکومت مطالبات کے ماننے پر مجبور ہو جائے گی ورنہ اربابِ حکومت کو حکومت سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے ممبروں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ڈائریکٹ ایکشن کی یہی تشریح کی۔

(۱) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے بیرونی موچی دروازہ میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حکومت ڈائریکٹ ایکشن کرنے کے بغیر مطالبات تسلیم نہیں کرے گی۔ پروگرام بن چکا ہے۔ اب جو اس پروگرام میں حائل ہوگا ہم اسے بھی مٹا دیں گے۔''

(آزاد ۴ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۴/۳)

اس اجتماع میں ماسٹر تاج الدین انصاری نے کہا:۔

''اور جو طاقت بھی اس پروگرام میں حائل ہوگی ہم اسے بھی مٹا دیں گے۔''

(آزاد ۴ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۴/۳)

(۳) اسی طرح ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری نے ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

''ہم نے حکومت کو ایک ماہ کی مہلت دی ہے۔ اگر ایک ماہ کے بعد بھی حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا تو پھر ہم خود ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ اور جہاں ہمارا ہاتھ پہنچے گا اس چیز کو پکڑ لیں گے۔ خواہ وہ خواجہ ناظم الدین

کا گریبان ہو یا کسی اور کا۔''

(آزاد ۱۲ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ا کالم ۳)

(۴) مجلس عمل راولپنڈی کے زیر اہتمام منعقدہ اجتماع میں ناظم مجلس عمل مولانا محمد اسماعیل صاحب ذبیح نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

''22 تاریخ تک مسلمانوں کے مطالبات حکومت پورے کردے۔ ورنہ ناظم الدین کو بھی وزارت چھوڑنی پڑے گی اور اس کے لئے ہم جیل کیا تختہ دار پر بھی چڑھ جائیں گے۔''

(آزاد ۱۳ فروری ۵۳ء)

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے مذکورہ بالا ممبروں کی تقریروں کے اقتباسات سے واضح ہے کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن سے غیر قانونی اقدام ہی سمجھتے تھے۔ جس سے حکومت کا تختہ اُلٹا جائے، نہ کہ آئینی اور راست اقدام۔

(۵) اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ڈائریکٹ ایکشن اور سول نافرمانی کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ بلکہ ڈائریکٹ ایکشن کو غیر شریفانہ قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں:۔

''یہاں تمام ملکی حقوق میں ہمارا دخل ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سول نافرمانی اور ڈائریکٹ ایکشن ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ حقوق حاصل کئے جائیں۔ بلکہ ایک شریفانہ طریق بھی ہے۔ جس سے حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔''

(آزاد ملتان کانفرنس نمبر مورخہ ۲۶ دسمبر ۵۰ء صفحہ ۱۳، ۲۷ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۱)

لیکن آخر کار آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے شریفانہ طریق چھوڑ کر ڈائریکٹ ایکشن کا طریق اختیار کیا۔

ڈائریکٹ ایکشن کے معنی تمام انگریزی ڈکشنریوں میں یہی لکھے ہیں کہ بجائے آئینی اور پارلیمنٹری راستہ اختیار کرنے کے (کہ وہ آراء شماری کے ذریعہ فیصلہ کر کے گورنمنٹ کو پولٹیکل اقدام کے لئے آمادہ کرے) سٹرائیک وغیرہ کے ذریعے دباؤ ڈال کر

اپنی بات منوانے کی کوشش کرنا۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں ڈائریکٹ ایکشن کے یہ معنے لکھے ہیں:۔

"Exestion of presure on the community by strikes instead on parliment by votes to force political measures on the Government."

قرآن مجید کی رُو سے ڈائریکٹ ایکشن ناجائز ہے

قرآن مجید اور احادیث میں کوئی ایسی خاص اصطلاح نہیں ہے جو ڈائریکٹ ایکشن یا براہِ راست اقدام کی جگہ استعمال کی جاسکے۔ مگر ڈائریکٹ ایکشن کے مذکورہ بالا مفہوم کی رُو سے اسلامی اصطلاح میں اسے ایک قسم کی بغاوت یا خروج علی الحکومۃ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کسی بات کے منوانے کے لئے غیر آئینی طریقے اختیار کرنا حکومت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے جو ایک قسم کی بغاوت کے ہم معنے ہے۔ اور بغاوت اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

''وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ'' (النحل رکوع ۳)

کہ اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے بے حیائی اور ناپسندیدہ بات سے اور بغاوت سے۔ کہ تم آئینی حدود سے تجاوز کرو۔ اور حاکمِ وقت کی اطاعت سے سرکشی کرو۔

اور غیر آئینی طریق اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ فساد ہوتا ہے چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح نے اپنی تقریر میں ڈائریکٹ ایکشن کا یہ نتیجہ بتایا ہے کہ:۔

''خواجہ ناظم الدین صاحب کو وزارت چھوڑنی پڑے گی اور اس کے لئے ہم جیل کیا تختہ دار پر بھی چڑھ جائیں گے۔''

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص خلافِ قانون فعل کا مرتکب نہیں ہوگا۔ اور نہ فساد کرے گا تو حکومت اسے جیل میں کیوں بھیجے گی یا تختۂ دار پر کیوں

لٹکائیگی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ڈائریکٹ ایکشن کرنے والے غیر آئینی کاروائی کریں گے۔ جس کا نتیجہ فساد ہوگا۔ اور انہیں جیل جانا پڑے گا۔ اور بعض جو قتل کے مرتکب ہوں گے انہیں تختہ دار پر لٹکنا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لَا تُفْسِدُوافِی الْاَرْضِ بَعْدَاِصْلَاحِهَا." (اعراف رکوع ۱۱)

کہ ملک میں اصلاح یعنی امن قائم ہونے کے بعد بدامنی اور فساد کے مرتکب نہ بنو۔

(۲) حکومت کی اطاعت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اَطِیْعُو اللّٰهَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ." (نساء رکوع ۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ اور تم میں سے جو اولوالامر (ارباب حکم) ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارباب حکومت کے فیصلہ کو ماننے اور ان کی اطاعت کا ارشاد فرمایا ہے۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے ممبروں کو یہ علم ہوگیا تھا کہ گورنمنٹ پاکستان ان کے مطالبات کے حق میں نہیں تھی اور نہ وہ ان کو منظور کرنا چاہتی تھی۔ اور جی۔ پی۔ سی کی رپورٹ سے بھی ان پر واضح ہوگیا تھا کہ ان کے مطالبات ناقابلِ منظوری ہیں۔ اس حالت میں قرآن مجید اور سنّت کے مطابق ان پر لازم تھا کہ وہ گورنمنٹ پاکستان کے فیصلہ کو تسلیم کرتے۔ یا آئینی طریق سے انہیں منوانے کی کوشش کرتے اور ڈائریکٹ ایکشن اور قانونی حدود سے تجاوز سے اجتناب کرتے۔

الغرض قرآن مجید کی رُو سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے غیر آئینی طریق یا سول نافرمانی اور بغاوت کا طریق اختیار کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ملک میں فساد اور فتنہ پھیلتا ہے اور فتنہ کے متعلق یعنی ایسی فتنہ انگیز تحریکیں جن سے قتل و غارت کا باب کھلتا ہے،

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔
"وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة رکوع ۲۷)
اور فتنہ قتل سے بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ یا بلحاظ اپنے بداثرات اور بدنتائج کے قتل سے بڑا ہے۔

احادیث کی رُو سے ڈائریکٹ ایکشن جائز نہیں

(۱) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اِسْمَعُوْاوَاَطِيْعُوْ اِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ كَاَنَّ رَأْسَهٗ زَبِيْبَةٌ."
(بخاری جلد۲صفحہ۱۰۵۷ کتاب الاحکام)
سُنو! اور اطاعت کرو۔ اگر تمہارے اوپر ایک حبشی غلام کو بھی جس کا سر (منقّہ کی مانند) چھوٹا سا ہو گورنر یا حاکم بنا دیا جائے۔ تو پھر بھی اس کی سنو اور اطاعت کرو۔
(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
" اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِىْ اَثْرَةً وَاُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَاقَالُوْافَمَا تَاْمُرُنَايَارَسُوْلَ اللهِ.قَالَ اَدُّوْااِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْئَلُوااللهَ حَقَّكُمْ."
(بخاری جلد۲صفحہ۱۰۴۵ کتاب الفتن)
میرے بعد تمہیں ایسے حاکموں سے واسطہ پڑے گا جو اپنے آپ کو دنیاوی حظوظ میں دوسروں پر ترجیح دیں گے اور ان سے بہت سی ایسی باتیں بھی ظاہر ہونگی جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ تو صحابہؓ نے عرض کی۔ اے رسول اللہ! آپ اس وقت کے لئے ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا۔ تم ان لوگوں کا حق ادا کرنا۔ یعنی ان کی اطاعت کرنا اور اپنا حق خدا سے مانگنا۔

اس حدیث سے امراء اور حکام کی بے انصافیوں اور خلافِ شرع کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا کہ ان کے خلاف بغاوت کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود اطاعت کی ذمہ واری جو تم پر ہے وہ ادا کرتے رہنا۔اور تمہارے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں۔ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا کہ وہ انہیں تمہارے حقوق ادا کرنے کی توفیق بخشے یا انہیں ایسے حکّام سے بدل دے جو تمہارے حقوق ادا کریں۔ڈائریکٹ ایکشن کی اجازت نہیں دی۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"فيه الحدث على السّمع والطاعة وان كان المتولى ظالماً عسوفا فيعطى حقّه من الطاعه ولايخرج عليه ولا يخلع بل يتضرع الى الله تعالىٰ فى كشف اذاه ورفع شره."

(مسلم مع شرح للنووی جلد۲ صفحہ ۱۲۶)

اس میں حکم کے سننے اور مان لینے کی ترغیب دی گئی ہے اگرچہ حاکم ظالم ہو۔اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔اور نہ اسے Denounce کیا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کے آگے تضرع سے دُعا کی جائے کہ وہ اس کے شر اور تکلیف کو دور کرنے کے سامان پیدا کرے۔

(۳) وائل بن حجرؓ بیان کرتے ہیں کہ یزید بن سلمۃ الجعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:۔

"أرأيت ان قامت علينا امراء يسئلونا حقّهم ومنعونا حقّنا فماتأمرنا قال اسمعوااطيعوا وانّماعليهم ماحملوا وعليكم ماحملتم."

(مسلم مع شرح للنووی جلد۲ صفحہ ۱۲۷)

"فرمایئے! اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حقوق لے لیں اور ہمیں ہمارے حقوق نہ دیں تو اس حالت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ان کا حکم سنو۔اور ان کی اطاعت کرو۔ جو

ذمہ واری ان پر ڈالی گئی ہے اس کا مؤاخذہ ان سے ہوگا۔ اور جو ذمہ واری تم پر ڈالی گئی ہے۔ اس کا مؤاخذہ تم سے ہوگا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"من کره من اميره شيئاً فليصبره فانّه مَنُ خرج من السلطان شبرًا مات ميتة جاهلية."

(بخاری جلد۲ صفحہ ۱۰۴۵ کتاب الفتن)

جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی چیز ناگوار گذرے تو اس کو چاہیئے کہ صبر کرے۔ کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیّت کی موت مرا۔

اس حدیث میں بھی حکومت وقت کی اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے اور اس کی طرف سے ناگوار چیز کے ظاہر ہونے پر صبر کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:۔

"قال ابن بطال فی الحديث حجة فی ترک الخروج علی السلطان ولو جار." (فتح الباری جلد۱۳ صفحہ۵)

کہ امام ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ سلطان کے خلاف خواہ ظلم بھی کرے بغاوت یا خروج نہ کیا جائے۔

اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ سلطان وحاکم فسق اور ظلم کی وجہ سے معزل نہیں ہو سکتے۔

"وَلايجوز منازعته فی السلطنة بذٰلک."

اور اس بنا پر اس سے سلطنت کے بارہ میں منازعت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۵) عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"الامن ولی عليه وال فرأه ياتی شيئاً من معصية اللهفليکره ماياتی من معصية الله ولاينزعن يداً من طاعته"

(مسلم مع شرح للنووی جلد۲ صفحہ۱۲۹)

سنو! جو کوئی ایسے حکمران کی ماتحتی میں آ جائے اور دیکھے کہ حاکم اللہ تعالیٰ کی کسی امر میں معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کی برائیوں سے نفرت کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

دوسری روایت میں ہے۔ جب تم اپنے حاکموں سے کوئی ایسی بات دیکھو جسے تم بُرا جانتے ہو۔

"فاکرھوا عملہ ولاتنزعوا یدًا من طاعة."

(فتح الباری جلد۱۳صفحہ۴)

تو اس کے عمل سے نفرت رکھو لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

(۶) حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات کی بیعت لی کہ ہم خوشی وغمی۔ تنگی وآسانی اور ناانصافی کے باوجود اپنے حاکموں کی بات سنیں اور مانیں۔

" وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا لَّکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْهِ برھان" (بخاری جلد۲صفحہ۱۰۴۵)

اور جو صاحبِ امر ہو اس سے جھگڑا نہ کریں اور نہ اس کی مخالفت کریں۔ مگر یہ کہ تم اس سے صریح اور بیّن کفر کا مشاہدہ کرو جس کے کفر ہونے کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔

حافظ ابن حجر العسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ تمہارے پاس کوئی قرآنی آیت ہو۔ یا صحیح خبر ہو۔ جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو۔ اور علامہ نووی اس شرح کی میں لکھتے ہیں:۔

"لاتنازعوا اولاة الامور فی ولایتھم ولا تعترضوا علیھم الاان تروامنھم منکرًا محققًا تعلمونه من قواعدِ الاسلام فاذارأیتم ذٰلک فانکروا علیھم وقولوابالحق حیثما کنتم اماالخروج علیھم وقتالھم فحرام باجماع المسلمین وان کانوافسقة ظٰلمین." (مسلم شرح للنووی جلد۲ صفحہ۱۲۵ کتاب الامارة)

کہ تم ارباب امر سے ان کی حکومت میں جھگڑا نہ کرو۔ اور نہ ان پر اعتراض کرو۔ مگر یہ کہ تم ان سے کوئی بری بات دیکھو جو ثابت و محقق ہو اور جو اسلام کے بنیادی مسائل سے ہو۔ جب ایسا ہو تو تم اسے برا مناؤ۔ اور جہاں بھی تم ہو حق بات کہو (یعنی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ) لیکن ان کے خلاف لڑائی کے لئے خروج کرنے اور ان سے جنگ کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگرچہ حاکم فاسق اور ظالم ہو۔

(۷) عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وعظ میں فرمایا۔ کہ

" اُعْبُدُوااللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاَطِيْعُوْا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ اَمَرَ كُمْ وَلَاتُنَازِعُوا الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا اَسْوَدُ."

(کنز العمال جلد۳ صفحہ ۱۷۰)

کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اور جس شخص کو خدا تعالیٰ نے تمہارا حاکم بنایا ہے اس کی اطاعت کرو اور حکومت سے جھگڑا مت کرو۔ اگرچہ وہ سیاہ غلام ہی ہو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ حاکم اور سلطان کی اطاعت کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ایک حدیث ڈائریکٹ ایکشن کے جواز میں پیش کی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

"من رأى منكم منكرًا فَلْيُغَيِّر ہٗ بيدهٖ و ان لَّم يستطع فبلسانهٖ و ان لم يستطع فبقلبهٖ و ذالک اضعف الايمان"

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸ بحوالہ مسلم)

کہ جو شخص تم میں سے بری بات دیکھے۔ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔

اگر اپنے ہاتھ سے بدلنے کی استطاعت نہ رکھتا ہوتو زبان سے اس کو بدل دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل میں اسے برا سمجھے اور یہ کمزورترین ایمان ہے۔

جواب:

اس حدیث میں بھی ڈائریکٹ ایکشن کا جواز نہیں نکلتا۔ اس میں منکر سے مراد خلاف شرع عمل لیا گیا ہے۔ اوراس حدیث کی شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ہاتھ سے برائی کو مٹانے کا حکم صرف امراء اور حکّام کو ہے نہ کہ رعایا کو۔ اور زبان سے نصیحت کرنے کا حکم علماء کو ہے اور دل سے برا منانے کا حکم عام مومنوں کو ہے۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸ باب الامر بالمعروف بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملاّ علی قاری)

اس حدیث میں رعایا کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ حکام کے خلاف محاذ قائم کرکے اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں۔ یا سول نافرمانی یا بغاوت کی راہ اختیار کریں بلکہ برخلاف اس کے حدیث نمبر 6،5 میں ذکر آچکا ہے کہ رعایا اگر حاکم سے کوئی معصیت والی بات دیکھے تو اسے دل میں برا سمجھے۔لیکن اس کی اطاعت کا جُوا نہ اتار پھینکے۔

نیز حدیث نمبر 2 میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جن میں تم منکر باتیں (امورا تنکرونها) دیکھو گے تو اس حالت میں آپ نے ان کا مقابلہ کرنے کا ارشاد نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ''ادواالیھم حقھم واسئلو اللہ حقکم'' کہ تم ان کا حق (اطاعت) جو تمہارے ذمہ ہے وہ ادا کرو۔ اور جو تمہارے حقوق ہیں وہ ادا نہ کریں تو انہیں اللہ سے مانگو۔ وہ تمہارے لئے ضرور کوئی راہ نکالے گا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

'' اِنَّ السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الْاَرْضِ يَأْوِىُ اِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُوْمٍ مِنْ عِبَادِهٖ فَاِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْاَجْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ. وَاِذَاجَارَ كَانَ عَلَيْهِ الْاِصْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ.''(مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۵ کتاب الایمان)

کہ سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کی طرف اس کے بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے۔ پس اگر وہ انصاف کرے تو اس کو اجر ملے گا۔ اور رعیّت پر شکر واجب ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اس پر بوجھ (گناہ) ہوگا۔ اور رعیّت کو صبر کرنا لازم ہے۔

(۹) اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی امیر یا بادشاہ ایسا حکم دے گا جو خدا تعالیٰ کی شریعت کے منافی ہو اور اس میں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہو تو ایسے حکم کو نہیں مانا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِی مَعْصِیَةِ اللہِ.''

(کنز العمال جلد۳ صفحہ۱۷۲)

کہ ایسی بات میں مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے جس سے خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالاً ایسے حاکموں کا ذکر کیا ہے جو سُنت کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ یہاں خالص دینی امور مراد ہیں۔ جو افراد پر واجب ہیں۔ جو بات قرآن اور سنت سے ثابت ہوگی اس کی پیروی کی جائے گی۔ اور اس کے خلاف کوئی بات نہ مانی جائے گی۔ لیکن پھر بھی بغاوت کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ بلکہ یہ حکم دیتا ہے:۔

''**فتھا جروافیھا**'' (النساء رکوع ۱۴)

اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے اس میں ہجرت کر جاؤ۔''

(۱۰) بادشاہ یا حکومتِ وقت کی اطاعت کرنے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنے پر اسلامی شریعت میں اِس حد تک زور دیا گیا ہے۔ کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید جیسے بد اطوار اور پلید انسان کی اطاعت سے انحراف کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ صحابی نے بھی ان کے اس فعل کو برا منایا۔

لکھا ہے کہ یزید نے مدینہ پر اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو امیر

مقرر کیا تھا۔ اُس نے مدینہ سے یزید کے پاس ایک وفد بھیجا جن میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ یزید نے ان کے مناسب حال اُن کا اکرام کیا۔ جب یہ وفد مدینہ واپس آیا۔تو انہوں نے یزید کے عیوب بیان کئے اور کہا کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس طرح اور باتیں بھی اُس کی طرف منسوب کیں۔تب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کے مقرر کردہ امیر کو تو نکال دیا اور یزید کی بادشاہت سے انکار کر دیا۔اور اپنی حکومت بنا لی۔تب یزید نے ایک لشکر بھیجا۔جس نے تین دن کی اہلِ مدینہ کو مہلت دی۔تا وہ اپنے فیصلہ سے باز آ جائیں۔مگر وہ انکار پر مصر رہے۔جنگ ہوئی جس میں یزید کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔اِس جنگ میں مدینہ کے بہت سے باشندے مارے گئے۔اور یہ واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد۱۳ صفحہ ۶۰)

جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے سب متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا:۔

"اِنّی سمعت النّبیّ صلی اللہ علیه وسلم یقول ینصب بکل غادرٍ لِواء یوم القیامة وانا قد بایعناھٰذا الرجل علیٰ بیع اللّٰہورسولهٖ واِنّی لَا اعلم غدرااعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ رسولهٖ ثم ینصب له القتال."

(بخاری جلد۲ صفحہ۱۰۵۳ کتاب الفتن)

مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر ایک عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا (جس سے اس کے غدر کی شہرت ہوگی) اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید) کی خدا اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑا غدر اور کوئی نہیں دیکھتا کہ ایک شخص کی خدا اور رسول کے نام پر بیعت کر کے پھر اس کے خلاف جنگ کی جائے اور اس کی اطاعت سے انحراف کیا جائے۔

الغرض اسلامی شریعت کا یہی حکم ہے کہ جب ایک حکومت قائم ہو جائے تو جو لوگ انفرادی یا جماعتی لحاظ سے اس حکومت میں بطور رعیّت رہنے لگیں انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ

اس حکومت کے اندر رہتے ہوئے قانون شکنی کریں۔ بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی اطاعت کریں۔ اور جب حکومت کے افعال کے خلاف قانون شکنی یا بغاوت کا احساس دلوں میں پیدا ہوتو اس ملک کو چھوڑ دیں اور کسی اور ملک میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ مگر جب تک وہ کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں تو ان کا حق نہیں کہ ملک کا امن اپنے فوائد کے حصول کی خاطر برباد کریں۔ ہاں اگر کوئی حکومت ایسی حالت میں ہجرت کرنے سے جبراً روکے۔ تو اس صورت میں اگر ممکن ہوتو حکومت کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ملک میں شورش اور فساد کی ذمہ وار خود حکومت ہوگی نہ کہ مظلوم لوگ۔

تبصرہ برجواب مولانا مودودی صاحب

مولانا مودودی صاحب اصولی طور پر یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ''ڈائریکٹ ایکشن'' ایک غیر آئینی طریق کار ہے۔ کیونکہ آئین ملکی حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہونے یا اس سے مطالبات تسلیم کرانے کے جو طریقے مقرر کرتا یا جائز رکھتا ہے یہ طریقہ ان میں شامل نہیں ہے اور کوئی آئین احکام کی نافرمانی یا قوانین کی خلاف ورزی کو جائز نہیں رکھتا۔

(پیراگراف نمبر ۱۸ دس نکات کا جواب)

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

''آئین کا احترام اور اس کی پابندی بلاشبہ ملک کے امن وامان کے لئے ضروری ہے۔ اور امن وامان نہایت قیمتی چیز ہے۔ مگر ایک حکومت غیر معقول رویہ اختیار کرکے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پر اپنی مرضی زبردستی ٹھونک کر اور ان کے جائز مطالبات اور اظہار ناراضی کو ٹھکرا کر خود آئین کی بے احترامی کا دروازہ کھولتی ہے اور ایسا رویہ اختیار کرنے کے بعد اسے یہ مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا کہ لوگ اس کے آئین کا احترام کریں۔''

(پیراگراف نمبر ۱۸ دس نکات کا جواب)

اس طرح ڈائریکٹ ایکشن اختیار کرنے والوں کو مولانا مودودی صاحب نے گویا حق پر قرار دیا ہے اور پھر افسران کی شہادت کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ احمدیوں کے خلاف مطالبات کو عوام کی بہت بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی۔ اور قوم کی بھاری اکثریت کے مطالبات کو حکومت نے ٹھکرایا۔

ہمیں دوسروں کی شہادت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کی پوری شہادت پڑھنے سے وہ نتیجہ غلط ثابت ہوتا ہے، جو مولانا مودودی صاحب نکالنا چاہتے ہیں لیکن اس بارہ میں ہم خود مولانا مودودی صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں جو ڈائریکٹ ایکشن کا پروگرام طے کرنے سے چار دن قبل آپ نے 22 فروری 1953ء کو خط بنام مجلس عمل میں لکھا اور جسے ناظم صاحب شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی نے ''یہ گرفتاریاں کیوں؟'' میں شائع کیا۔

اس میں آپ نے لکھا:۔

''میں اس سے پہلے بھی مجلس عمل کے ذمہ وار حضرات کو لکھ چکا ہوں اور پھر آخری طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس وقت کسی سخت ایجی ٹیشن کے لئے فضا بالکل تیار نہیں ہے اس کی دو وجوہ ہیں۔

نمبر 1: پنجاب سمیت پورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارہ میں ہمارے مطالبات کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا ہے۔

نمبر 2: دوم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اس مطالبہ کی حمایت میں تیار کئے جا سکے ہیں۔ باقی دوسرے تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ اس صورت میں صرف پنجاب اور بہاولپور کے عوام کو لڑا کر کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے؟''

(صفحہ ۲۹ ''یہ گرفتاریاں کیوں'')

اس بیان کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب کا حکومت کو مطعون کرنا کہ اس نے ایسے مطالبات کو کیوں ٹھکرا دیا جن کو عوام کی بہت بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی نہ

صرف ایک بہت بڑی غلط بیانی ہے، بلکہ اپنی ضمیر کی بھی خلاف ورزی اور تقویٰ کے بھی منافی ہے۔

پھراس بیان کی موجودگی میں ان کے لئے زیبانہ تھا کہ وہ حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن اختیار کرنے والوں کی تائید کرتے۔

پھراس میں اپنی اور جماعت اسلامی کی ڈائریکٹ ایکشن سے براءت بھی ظاہر کی ہے حالانکہ موجودہ فسادات کی وجوہات یا جن مطالبات کے عدم تسلیم کو باعث فساد بنایا گیا ان پر بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ سوال اصولی تھا جواب بھی اصولی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ''چور کی ڈاڑھی میں تنکا'' کے بموجب مولانا مودودی صاحب نے فسادات پنجاب کی وجوہات اور مطالبات پر ایک طویل بحث لکھ دی اور اپنے آپ کو ڈائریکٹ ایکشن سے بَری قرار دیا۔ مگر کیا درحقیقت وہ ڈائریکٹ ایکشن کے مخالف تھے؟ اور انہوں نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ اس کا جواب معزز تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے درجِ ذیل ہے:۔

> ''جماعت کو خوب معلوم تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام سے نہایت خوفناک قسم کے فسادات رونما ہوں گے۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی بعض تقریریوں میں جو ''تسنیم'' میں شائع ہوئیں لفظ ''جنگ'' استعمال کیا اور 20 جنوری کو لاہور میں موچی دروازہ کے باہر تقریر کرتے ہوئے ہندو مسلم فسادات کا حوالہ بھی دیا۔
>
> اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ جماعت نے ڈائریکٹ ایکشن سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہو۔ اس کی نامنظوری ظاہر کی ہو یا اس کی مذمت کی ہو............... اور جب جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی سرتوڑ کوششوں میں جو 5 مارچ کو فسادات کے روکنے کے لئے کر رہی تھی کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا تو ہمارے نزدیک جماعت کی ذمہ واری میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔ بلکہ اس کے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویّہ اختیار کیا اور تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا۔ فسادی عناصر کو ''تشدد کا شکار'' کہہ کر ان سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی

کوشش کی۔ گونمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظام حکومت کے انہدام کی توقّع کر رہے تھے اور حکومت کی متوقع پریشانی اور حواگی پر بغلیں بجا رہے تھے اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے۔ کہ اسلامی جماعت کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی ادارت کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ یہی ہے تو اس امر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ ہو رہا تھا اسے جماعت اسلامی کی پوری تائید وحمایت حاصل تھی۔

لہذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اس پروگرام سے جو مجلسِ عمل نے کراچی میں 6 2 فروری کو طے کیا تھا اور گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضاکاروں کے دستے بھیجے جائیں اور مولانا ابوالحسنات کو تحریک کا پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے جو طبعی نتائج پیدا ہوئے ان کی ذمہ واری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے۔''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱ بزبان اردو)

فاضل ججان تحقیقاتی عدالت کے اس فیصلہ کے بعد ہمیں مولانا مودودی صاحب کے بقیہ جواب پر کسی اور تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نواں سوال

احمدیوں کی مطبوعات

جو عامۃ المسلمین کے مذہبی جذبات واحساسات کی توہین کرتی ہوں؟

جواب:۔

ہمارے نزدیک جماعت احمدیہ کی کوئی ایسی مطبوعات نہیں ہیں اور جس قدر تحریروں کا حوالہ مجلسِ عمل یا مجلسِ احرار یا جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے اپنے اپنے تحریری بیانات میں دیا ہے۔ان کا تفصیلی جواب ہم عدالت میں داخل کر چکے ہیں۔

دسواں سوال

دیگر مسلمانوں کی مطبوعات

جن سے احمدیوں کے عقائد کی توہین ہوتی ہو؟

جواب:۔

ان کتابوں کے نام معہ ان اقتباسات کے جن میں حضرت بانی جماعت احمدیہ اور احمدیہ عقائد کی توہین کی گئی ہے معزز عدالت کی خدمت میں ایک مجموعہ کی صورت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

واٰخر دعونا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین